ماہنامہ

پیامِ عرفات

رائے بریلی

شاہ کلید

”اس امت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ اس نے ہمیشہ نامساعد حالات اور دشواریوں اور تلخیوں کو گردِ راہ سمجھا، لیکن خدا سے اپنا معاملہ درست کرنے اور اس کی شرائط پوری کرنے کے بعد، حضرت ابوبکر کا لشکرِ اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو بھیجنا بھی حالات کے تقاضہ کے خلاف تھا، حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) کو مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ لاتعداد رومیوں سے مقابلہ کرنا بھی حالات کے خلاف تھا، اندلس میں مجاہدین کے اترنے کے بعد طارق بن زیاد (رحمۃ اللہ علیہ) کا کشتیاں جلوا دینا اور مسلمانوں کا بحرِ ظلمات میں گھوڑے ڈال دینا بھی حالات کے خلاف تھا، لیکن یہ ہمیشہ یاد رہے کہ یہ سب مسلمانوں کی دینی حالت اور دینی مستقبل کی طرف سے اطمینان کے بعد تھا اس سے پہلے نہیں۔

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

دنیا کی حقیقت

شیخ علی متقی برہانپوری رحمہ اللہ

دنیا جو لوگوں میں مشہور ہے، تین قسم کی ہے:

(۱) ایک وہ دنیا جو محمود اور اچھی ہے؛ (۲) دوسری وہ دنیا جو مطلقاً (ہر حال میں) مذموم (بُری) ہے؛ (۳) وہ دنیا کہ ایک اعتبار سے محمود (اچھی) اور ایک اعتبار سے مذموم (بُری) ہے۔

۱- وہ دنیا کہ جو مطلقاً محمود ہے یہ وہ دنیا ہے کہ اس کی حقیقت میں لوگوں نے کہا ہے کہ موت سے پہلے کے جو حالات ہیں وہ دنیا ہے اور موت کے بعد کے جو حالات ہیں وہ آخرت ہے یعنی آدمی کی زندگی کے اوقات جیسے کھانا، سونا، زندگی گزارنا وغیرہ کہ یہ دنیا کی حقیقت ہے اور یہ مطلقاً محمود ہے کیونکہ اگر حالات اور اوقات نہ ہوتے تو عمل کہاں کرتے؟ اور یہ دنیا اس وجہ سے محمود ہے کہ اس کے بارے میں حدیث میں ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

۲- دوسری دنیا کہ مطلقاً مذموم ہے یہ وہ دنیا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿واعلموا أنما الحياة الدنيا لعب و لهو و زينة و تفاخر بينكم و تكاثر في الأموال و الأولاد﴾ ، لہٰذا اگر کوئی اتنا فقیر ہو کہ اس کے لیے صبح وشام کا کھانا تک نہیں ہے اور جسم پر کپڑا تک نہیں ہے لیکن لہو ولعب کی محبت اس کے دل میں موجود ہے یعنی جہاں کہیں کھیل تماشہ کی کوئی بات دیکھتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس سے لذت لیتا ہے اس کو دنیادار کہا جائے گا۔

اور اگر کوئی مالدار ہے لیکن کھیل تماشوں کی محبت اس کے دل میں نہیں ہے اس کو دنیادار نہیں کہہ سکتے۔

دوسرے یہی فقیر کہ صبح وشام کا کھانا بھی اس کو نصیب نہیں ہے لیکن زیب وزینت کی محبت اس کے دل میں نہیں ہے یعنی کپڑے سفید پہنتا ہے اور گھر کے نقش ونگار کی محبت اس کے دل میں نہیں ہے، اس کو دنیادار نہیں کہہ سکتے، پھر یوں سمجھو کہ وہی فقیر جس کو صبح شام کا کھانا بھی حاصل نہیں ہے لیکن تفاخر (دوسروں پر فخر کرنا)، تکاثر (دوسروں سے مال واولاد میں بڑھنے کا جزبہ) کو محبوب رکھتا ہو یعنی اس کی اندرونی خواہش یہی ہو کہ اس کے پاس چند فقراء ہوں اور وہ درمیان میں بزرگ بن کر بیٹھا ہو یا اس کی کواہش یہ ہو کہ اس کے پاس تفاخر کے لیے مال زیادہ ہو اگرچہ اس کے پاس واقعتاً کچھ بھی نہ ہو یا یہ کہ تفاخر کے طور پر اولاد زیادہ ہونے کا جذبہ رکھتا ہو اگرچہ واقعتاً ایک بچہ بھی نہ ہو، لیکن اس کے دل میں یہی چیز ہو، اس کو دنیادار کہا جائے گا۔

اگر کوئی مالدار ہو، اس کو اولاد بھی ہو، لیکن اس کے دل میں ان چیزوں پر تفاخر کا جذبہ نہ ہو تو وہ دنیادار نہیں ہے۔

(۳) تیسری قسم کی دنیا وہ ہے کہ ایک اعتبار سے اچھی اور ایک اعتبار سے بُری ہے اور یہ وہ دنیا ہے جس کا ذکر اس آیت میں وارد ہے: ﴿زين للناس حب الشهواة من النساء ....﴾ یعنی اگر کسی کی بیوی اس کو دین کے کاموں میں مدد کرتی ہو یعنی شوہر کی خدمت کرتی ہو اور گھر کا کام بھی کرتی ہو اور اس کی وجہ سے اس کا شوہر یکسوئی کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہو تو یہ عورت جو بظاہر متاع دنیا ہے حقیقت میں وہ محمود اور اچھی ہے اور اگر یہ شخص اس عورت کی وجہ سے حرام کمائی میں مبتلا ہوتا ہو یا اس عورت کی وجہ سے کوئی ناجائز بات کرنے پر مجبور ہوتا ہو مثلاً جھوٹ بول کر یا چوری کر کے عورت کے لیے روزی حاصل کرتا ہو اس کے حق میں یہ عورت جو متاع دنیا ہے بُری ہے، ایسے ہی بچے اگر نیک ہوں، والد کی حیات میں اس کے دینی کاموں پر اس کی مدد کرتے ہوں اور اس کے مرنے کے بعد نیک دعاؤں سے اس کی مدد کرتے ہوں، یہ بچے اس والد کے حق میں اچھے ہیں اور اگر والدان بچوں کی وجہ سے حرام کمائی یا ناجائز کاموں میں مبتلا ہو تو وہ اس کے حق میں بُرے ہیں، چنانچہ بعض والد جن پر بچوں کی محبت غالب آجاتی ہے، جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کو دور کرنے کے لیے کفر کے افعال تک کرتے ہیں، اور ایسے ہی مال اور گھوڑے (سواریاں) جانور اور کھیت اگر خدا کے راستہ میں فقراء کو دیتا ہے، اس میں خرچ کرتا ہے جس سے حق تعالیٰ راضی ہوتے ہیں تو اس کے حق میں یہ متاع دنیا اچھی ہے، اور اگر گناہوں میں اور اللہ تعالیٰ کے مرضی کے خلاف میں صرف کرتا ہو تو اس کے حق میں بُری ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فروری ۲۰۱۵ء — جلد: ۷ — شمارہ: ۲

فہرس

انسانیت کے دشمن ۲
بلال عبدالحی حسنی ندوی

غیب کی پانچ کنجیاں ۳
مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

اسلامی عقائد–قرآن وحدیث کی روشنی میں ۴
بلال عبدالحی حسنی ندوی

قرآن کریم اور نظام زندگی ۷
عبدالسبحان ناخدا ندوی

نفاس واستحاضہ کے شرعی احکام ۱۰
مفتی راشد حسین ندوی

سلام کی فضیلت اور اس کے آداب ۱۳
خلیل احمد حسنی ندوی

محبت کا صلہ ۱۴
محمد ارمغان بدایونی ندوی

مسلم معاشرہ ۱۵
ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

احساسِ زیاں ۱۶
محمد مکی حسنی ندوی

سیکولرزم اور اسلام ۱۸
محمد نفیس خاں ندوی

نگاہوں کی حفاظت ۱۹
عبدالرحمٰن صدیقی ندوی

اللہ کی امانت ۲۰
ابوالعباس خاں

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسیٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الإمام أبي الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Mail: markazulimam@gmail.com

فی شمارہ: ۱۰ روپے — سالانہ: ۱۰۰ روپے

مدیر کے قلم سے

انسانیت کے دشمن

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دنیا اس وقت جس انتشار کا شکار ہے، اتنے وسیع پیمانہ پر دنیا کی تاریخ میں شاید ہی ایسا انتشار اور بگاڑ ہوا ہو، جن ملکوں میں خون کی ارزانی ہے اور بے دریغ وہاں انسانوں کا خون بہایا جا رہا ہے، وہاں جو کچھ بے یقینی اور بے چینی کی فضا ہے وہ تو ہے ہی، مسئلہ اس وقت پوری دنیا کا ہے، جن ملکوں میں ظاہری طور پر سکون واطمینان نظر آ رہا ہے، وہاں بھی لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ایک عام بے چینی کی فضا ہے، امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں جو اس وقت تنہا سپر پاور بنا ہوا ہے، کوئی شہری اطمینان سے نہیں ہے، وہاں کے باشندوں کا بڑا حصہ ان لوگوں کا ہے جو بغیر نیند کی گولی کھائے سو نہیں سکتا، یہ بے یقینی کی فضا بڑھتی چلی جا رہی ہے جو پورے عالم انسانیت کے لیے ایک بڑا خطرہ بن گئی ہے، اس کے لیے جو علاج تجویز کیا جاتا ہے اس میں نہ مرض کی صحیح تشخیص ہوتی ہے، اور نہ مریضوں کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ دنیا کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو انتہائی درجہ کے خود غرض اور انسان دشمن ہیں، جن کی حالت یہ ہے کہ اپنے مفاد کے لیے انسانیت کی بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انسانیت کو ہلاکت کی بھینٹ چڑھانا ان کے لیے کچھ مشکل نہیں اگر ان کو اپنا مفاد نظر آتا ہو۔

یہ کھیل نیا نہیں ہے، ادھر طویل عرصہ سے یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے، اور اس میں اصل دماغ ان یہودیوں کا ہے جن کو انسانوں سے، انسانیت سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کی خفیہ میٹنگوں میں جو بات طے ہوئی تھی آج وہ عمل میں لائی جا رہی ہے، دنیا کی اقتصادیات اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) پر پوری طرح ان کا کنٹرول ہے، تمام بڑی ایجنسیاں ان کے پاس ہیں، خبریں ان کی چھلنیوں میں چھنے بغیر میڈیا میں نہیں آسکتیں، اور پھر اپنے مقاصد کے لیے خبریں تیار کی جاتی ہیں، اور جس کو اردو کے محاورہ میں "دھول جھونکنا" کہتے ہیں، وہ مثال پوری طرح ان پر صادق آتی ہے۔ نائن الیون (9/11) کا حادثہ کرایا گیا اس کے بعد پوری پلاننگ کے مطابق اس کو مسلمانوں کے سر ڈال دیا گیا، یہ بات اب ثابت ہو چکی کہ یہ سب ایک مفروضہ تھا، ایک پلاننگ تھی، جس میں مسلمانوں کو ٹارچر کرنا مقصود تھا، اس کے علاوہ نہ جانے کتنے واقعات پیش آتے ہیں جن کا نہ سر ہوتا ہے نہ پیر، سر پیر اگائے جاتے ہیں اور ڈھانچہ بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے، اسکول کے بچوں کے ساتھ جو حالیہ واقعہ پیش آیا ہے اس کو بھی مسلمانوں کے سر مڑھ دیا گیا جب کہ اسلام کی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اس کے بالکل برعکس ہے، اگر کوئی مسلمان ہے تو وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا، البتہ بچوں، عورتوں، بوڑھوں پر پوری دنیا میں جو مظالم ہو رہے ہیں، ہزاروں ہزار کی تعداد میں لوگ مارے جا رہے ہیں، یہ سب ان لوگوں کی طرف سے ہو رہا ہے جو امریکہ و یورپ کے پروردہ ہیں، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اسلام میں صرف نام رکھ لینے سے کوئی داخل نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی کے کہہ دینے سے کوئی مسلمان ہو سکتا ہے، اسلام تو اس یقین کا نام ہے جو اللہ کی ذات پر ہوتا ہے، اس کے رسول ﷺ پر ہوتا ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات پر ہوتا ہے۔

اسلام کی سچی تعلیمات جو درحقیقت انسانیت کے لیے اعلیٰ ترین نمونہ ہیں، انسانی قدریں انہیں تعلیمات سے نکلتی ہیں، ہیومن رائٹز کی تفصیلات پر غور کیا جائے تو آنحضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کو دیکھ کر تیار کی گئی ہیں، اسلام کی یہ اخلاقی تعلیمات جو انسانوں کے لیے اعلیٰ ترین نمونہ ہیں اور ان میں ہر انسان کے لیے ایک کشش ہے، اس کو دیکھ کر دنیا کی طاقتوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے ایک لمبی پلاننگ کی ہے، دنیا کے مختلف ملک اس میں شریک ہیں اور اس میں عالمی میڈیا کو سب سے بڑا ذریعہ بنایا گیا ہے............. (باقی صفحہ ۶ پر)

غیب کی پانچ کنجیاں

مولانا عبد اللہ حسنی ندویؒ

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: غیب کی پانچ کنجیاں ہیں، یعنی غیب دانی اور غیب سے واقفیت ظاہر کرنے کے لیے انہی چیزوں کا سہارا لیا جاتا ہے، اور اکثر وبیشتر لوگ اپنی پیشن گوئیاں انہی سے وابستہ کرتے ہیں، اور یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ نے اپنے ہاتھ میں سراسر رکھی ہیں، اسی لیے ان سے غیب وابستہ سمجھا جاتا ہے، لہٰذا ان کے متعلق خاص طور سے فرمادیا گیا کہ ان کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور اللہ کے علاوہ ان کو کوئی جان ہی نہیں سکتا، ذیل میں ان پانچوں چیزوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

رحم مادر کا علم: ان میں سے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟ اس کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، بچہ ہے یا بچی ہے، ناقص ہے یا کامل ہے، حسین ہے یا بدصورت ہے، بڑھے گا، توانا ہوگا یا نہیں ہوگا، چھوٹا رہ جائے گا، یا قد اس کا چھ فٹ کا ہوگا یا سات فٹ کا ہوگا، اس کے اندر کیا کیا صلاحیتیں ہیں، کن صلاحیتوں کو لے کر آرہا ہے؟ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور آج کل جو رحم مادر میں مشین سے دیکھ کر بتارہے ہیں اس پر کبھی کبھی اشکال ہوجاتا ہے، میں علی گڑھ گیا تو وہاں کے جو لائبریرین ہیں میرا ان کے پاس جانا ہوا، انہوں نے کہا آپ مولوی معلوم ہوتے ہیں ایک حدیث میں آتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا، لیکن مشین سے دیکھ کر تو معلوم ہوجاتا ہے کہ نر ہے یا مادہ ہے؟ تو ہم نے کہا آپ نے ہی اس کا مسئلہ حل کردیا، اب کیا سوال کررہے ہیں؟ ہم نے کہا آپ ہی نے کہا کہ ''دیکھ کر بتادیتے ہیں'' دیکھ کر بتانا یہ غیب کہاں ہوا؟ بغیر دیکھے بتائیے اور مشین نہ لگائیے تو غیب ہے، کہا ایسے تو نہیں بتا پائیں گے، اور مشین لگا کر بھی غلط بتارہے ہیں، اسی طرح بچہ پیٹ میں ہے آپ پیٹ کو پھاڑ دیں، پھر بتائیں کہ لڑکا تھا، تو اب دیکھ لیا تو بتادیا، اس میں کیا کمال ہوا، کمال تو یہ ہے کہ بغیر دیکھے بتائیں، جیسے بارش نہیں ہوئی ہو، اور بادل نظر آرہے ہوں، اب جب بارش ہوجائے تب آپ بتائیں کہ بارش ایک انچ ہوئی یا دو انچ ہوئی، لیکن آپ پہلے بتادیجئے کتنے انچ ہوگی؟ تو ایسا نہیں بتا سکتے، البتہ بادل دیکھ کر اتنا تو بتا سکتے ہیں بارش ہوگی۔

لہٰذا اسی طرح آثار دیکھ کر بتاتے ہیں کہ بچہ ہوگا، صرف امیدیں ہوتی ہیں، لیکن حقیقت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا، تو ایسے ہی دیکھ کر بتادینا یا جس نے دیکھا ہے وہ بتادے اور آپ بتادیں، جیسے بعض اللہ کے نیک بندے خواب میں دیکھ کر سچ بتادیتے ہیں کہ کیا ہونے والا ہے لڑکا یا لڑکی؟ تو یہ ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جب وصال ہونے لگا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ تمہارا ایک بھائی ہونے والا ہے اس کا بھی جائداد میں حصہ ہوگا، تو اب جب حضرت ابوبکرؓ نے بتادیا تو ظاہر ہے اللہ نے ان کو بتادیا تھا، جو سب کچھ جانتا ہے اس نے بتایا ہے، تو ایسے ہی مشین سے دیکھ کر بتانا کوئی کمال نہیں ہے، کمال تو یہ ہے کہ بغیر دیکھے بتایا جاسکے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟

مستقبل کا علم: ایسے ہی کل کیا ہونے والا ہے یہ کوئی نہیں جانتا، یہ سب بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، آج سب حیرت میں ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے کوئی نہیں جانتا، کہ کون گرے گا؟ کس کی ہڈی ٹوٹے گی؟ کس کے سر پر پتھر گرے گا کہ سر پھٹ جائے گا، اور کون ترقی کرے گا، کس کو پروانہ ملے گا؟ یہ سب چیزیں کوئی نہیں جانتا، یہ سب بالکل غیب الغیب میں ہیں، ساری چیزیں پردے کے پیچھے ہیں، اس لیے آدمی بس اللہ سے بھلائی مانگتا رہے کہ جو آنے والا دن ہے وہ بہتر ہو، باقی جاننا کوئی کچھ نہیں ہے، فالج ہوجاتا ہے، بیماریاں ہوجاتی ہیں، اچانک اٹیک ہوجاتا ہے، یہ کہاں سے ہوگیا؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔

نزول برسات کا علم: اسی طرح بارش کب ہوگی، کوئی نہیں جانتا ہے، اس میں وہی بات ہے، بارش کب ہوگی بادل آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں بارش نہیں ہوتی، اور دھوپ نکلی ہو لیکن بادل آیا بارش ہوجاتی ہے، اب کتنی ہوگی یا نہیں ہوگی یہ کوئی نہیں جانتا، بعد میں ناپ کر بتاتے ہیں کہ اتنی انچ بارش ہوئی..... (باقی صفحہ ۱۲ پر)

گذشتہ سے پیوستہ

اسلامی عقائد

قرآن وحدیث کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عالم برزخ:

مرنے کے بعد قیامت سے پہلے جو مرحلہ ہے وہ عالم برزخ کہلاتا ہے، برزخ کے معنی بیچ کی چیز کے ہیں، جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہوتی ہے، اور پردہ بن جاتی ہے، عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کا یہ وقفہ ہے، اسی لیے اس کو برزخ کہتے ہیں، سورہ مومنون میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (المومنون: ۱۰۰) (اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے)

مرنے کے بعد اس مرحلہ میں انسان جہاں بھی ہوتا ہے اس کو قبر کہتے ہیں، خواہ وہ خاک کے اندر ہو، سمندر یا دریا کے درمیان ہو، یا کسی جانور کے پیٹ میں، انسان مرنے کے بعد جہاں کہیں بھی اس کو جلا کر اس کی خاک کو سمندروں دریاؤں یا خشکی میں کہیں بھی اڑایا گیا ہو، اس کو کسی جانور نے کھالیا ہو وہی اس کے لیے قبر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو وہاں سے قیامت کے دن اٹھا کر کھڑا کردے گا۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ﴾ (الحج: ۷) (اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں)

اس عالم برزخ کو ماننا بھی ایمان بالآخرۃ ہی کا حصہ ہے، اس پردہ کے ہٹتے ہی قیامت برپا ہوجائے گی، جس کو بعث بعد الموت کہتے ہیں، پھر حساب وکتاب کے بعد جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس درمیانی مرحلہ (عالم برزخ) کی راحت یا تکلیف کا ذکر آیات واحادیث میں بکثرت ملتا ہے، قرآن مجید میں فرعونیوں کے بارے میں عالم برزخ کے عذاب کا تذکرہ بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ، النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (الغافر: ۴۵-۴۶) (اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب ٹوٹ پڑا، وہ آگ ہے جس پر صبح اور شام ان کو تپایا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (کہا جائے گا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو)

یہ تکلیف یا راحت موت کے وقت ہی سے شروع ہوجاتی ہے، متعدد آیات میں اس کا ذکر ہے، ایک جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ، وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَى مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ (انعام ۹۳-۹۴)

(اور اگر آپ دیکھ لیں جب یہ ناانصاف موت کی کٹھنائیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے (کہتے) ہوں گے کہ نکالو اپنی جان آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی نشانیوں سے اکڑتے رہتے تھے، اور اب ایک ایک کر کے ہمارے پاس پہنچ گئے جیسے پہلی بار ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا تھا وہ سب پیچھے چھوڑ آئے اور ہمیں تمہارے ساتھ وہ سفارشی بھی نظر نہیں آتے جن کے بارے میں تمہارا خیال یہ تھا کہ وہ تمہارے معاملات میں (ہمارے) شریک ہیں، تم آپس میں ٹوٹ کر رہ گئے اور تم جو وعدے کیا کرتے تھے وہ سب تم سے ہوا ہوگئے)

سورہ انفال میں ارشاد ہے ﴿وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا

عَذَابَ الْحَرِيقِ، ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (انفال ۵۰-۵۱) (اور اگر آپ دیکھ لیں جب فرشتے کافروں کی جان نکال رہے ہوں ان کے چہروں اور پشت پر مارتے جاتے ہوں اور (کہتے جاتے ہوں) کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو، یہ نتیجہ ہے تمہارے گزرے ہوئے کرتوتوں کا اور اللہ اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا)

ذیل کی آیتوں میں نیک وبد کا تذکرہ موجود ہے، نیکوں کو کیسی بشارتیں موت کے وقت سے ہی شروع ہو جاتی ہیں، ارشاد ہوتا ہے ﴿فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ، وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ، وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَكِن لَّا تُبْصِرُونَ، فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ، تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ، فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ، فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ، وَأَمَّا إِن كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ، فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ، وَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ، فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ، وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ﴾ (الواقعة: ۸۳-۹۴) (تو پھر کیوں نہ جس وقت جان حلق کو پہنچتی ہے، اور تم اس وقت اس کو دیکھ رہے ہوتے ہو، اور ہم تم سے زیادہ اس سے قریب ہیں حالانکہ تم نہیں دیکھتے، تو اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو تو کیوں (ایسا) نہیں ہو جاتا، کہ تم اس کو لوٹا دو اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو، پھر اگر وہ (مرنے والا) مقربین (بارگاہ الٰہی) میں ہوا، تو مزے ہی مزے ہیں اور خوشبو ہی خوشبو ہے اور نعمتوں بھرا باغ ہے، اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں ہوا، تو تیرے لیے سلام ہی سلام (کے نذرانے) ہیں کہ تو دائیں طرف والوں میں ہے، اور اگر وہ جھٹلانے والوں گمراہوں میں ہوا، تو کھولتے پانی سے (اس کی) تواضع ہوگی، اور (اسے) جہنم رسید کیا جائے گا)

اللہ نے اپنے مقرب بندوں کے لیے موت کے وقت میں کیسی بشارتیں رکھی ہیں، ان کو کیسی محبت بھری یہ صدا سنائی دیتی ہے ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي، وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ (فجر: ۲۷-۲۹) (اے وہ جان جو سکون پا چکی، اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ کر آ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، بس میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا)

اسی عالم برزخ کی وضاحت اور تفصیل حدیث میں بھی آئی ہے، ایک جگہ ارشاد نبوی ہے:

جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح وشام اس کا اصل مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام اس وقت تک کے لیے جب تو قیامت کے لیے اٹھایا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

قبر میں سوال و جواب:- احادیث صحیح میں آنحضور ﷺ سے منقول ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مرنے والے سے توحید و رسالت کے بارے میں سوال کرتے ہیں:

ابوداؤد میں حضرت براء بن عازب سے مروی ہے:

”مرنے والے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر فرشتہ کہتے ہیں اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو تمہارے درمیان بھیجا گیا؟ وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ تم کو کیسے معلوم ہوا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر آسمان سے ایک ندا آئے گی کہ میرے بندہ نے سچ کہا، اسے جنت کا بستر دو، اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو، اسے جنت کا لباس پہناؤ۔ پھر اس کو جنت کی خوشبودار ہوائیں آتی ہیں، اور تا حد نگاہ قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔..........“

اور جب مرنے والا کافر ہوتا ہے تو قبر میں لٹائے جانے کے بعد فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں:

”تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے، ہائے ہائے، مجھے نہیں معلوم! پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے مجھے نہیں معلوم۔ پھر فرشتے کہتے ہیں کہ اس شخص

کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمہارے درمیان مبعوث ہوا تھا؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے مجھے نہیں معلوم! پھر آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ اس نے جھوٹ کہا، اسے جہنم کا بستر دو، جہنم کا لباس پہنادو، اور اس کے لیے جہنم کا دروازہ کھول دو۔ وہاں سے اس کو جھلسا دینے والے جھونکے آتے رہتے ہیں، اور اس کی قبر اتنی تنگ کردی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں آپس میں گھس جاتی ہیں۔"

قرآن مجید کی آیات میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے، ارشاد ہے ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ (ابراهیم: ۲۷) (اور اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے اس دنیا میں بھی مضبوط کرتا ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے)

اس کی تفسیر احادیث صحیح میں یہی بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد قبر میں توحید و رسالت سے متعلق سوالات کا ہونا ہے، صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے:

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ یہ سورت عذاب قبر سے متعلق نازل ہوئی ہے، بندے سے معلوم کیا جائے گا "تمہارا رب کون ہے؟" وہ جواب دے گا "میرا رب اللہ ہے، اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں" گویا اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ سے مراد بندہ کا اس طرح جواب دینا ہے۔

عالم برزخ میں جو کچھ ہوتا ہے ظاہری طور پر مرنے والے کے جسم پر اس کے اثرات نظر نہیں آتے، اس لیے کہ اس کا اصل تعلق روح سے ہوتا ہے، اور بڑی حد تک اس کی مثال گہری نیند سے دی جاسکتی ہے، سونے والا نہ جانے خواب میں کہاں کہاں کی سیر کرتا ہے، اور طرح طرح کی خوشیاں اس کو حاصل ہو رہی ہوتی ہیں، یا سخت اذیت محسوس کر رہا ہوتا ہے، لیکن پاس بیٹھا ہوا دوسرا انسان اس کو بالکل محسوس نہیں کر پاتا، اسی طرح مرنے والے کے احساسات کا تعلق اس کی روح سے ہے اور اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دوسرا اس کے جسم پر محسوس نہیں کرسکتا کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے۔

بقیہ: انسانیت کے دشمن

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے والے شاید یہ بھول بیٹھتے ہیں کہ وہ جو کنواں دوسروں کے لیے کھود رہے ہیں ان ہی راستوں سے خود ان کو بھی گزرنا ہے، آگ ایک گھر میں لگائی جائے تو کیا دوسرا گھر اس کی لپیٹوں سے بچ سکے گا، پوری دنیا کو جہنم کدہ بنانے والوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اسی جہنم میں ان کو بھی ایک نہ ایک دن جلنا پڑے گا۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ حقائق سے پردے اٹھائے جائیں دنیا کو صحیح بات معلوم ہوسکے اور لوگ اپنے اصل دشمن سے ہوشیار ہوسکیں، جو لوگ اپنے مفاد کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار رہتے ہیں ان کی حقیقت لوگوں کے سامنے آسکے، یہ کام سب سے بڑھ کر میڈیا کا تھا، مگر افسوس کہ یہ ادارہ بھی آزاد نہیں، خبریں جو کچھ آتی ہیں وہ غلامانہ ذہنیت کے ساتھ آتی ہیں، جس میں عام طور پر سچ نہیں ہوتا۔

لوگ اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہیں، رات کو دن اور دن کو رات بتایا جائے، اس کا نتیجہ کیا نکلے گا اس کو ایک عام عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے، یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے جو انسانیت کے سروں پر منڈلا رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے اہل عقل اس پر غور کریں اور خبروں پر بھی آنکھ بند کرکے بھروسہ نہ کریں، لوگوں سے مل کر دیکھیں حالات کا صحیح جائزہ لیں، اور انسانیت کی بہی خواہی کے لیے آگے آئیں، اور انسانیت کی اس ڈولتی کشتی کو جسے ڈبونے کے لیے بڑی بڑی طاقتیں لگی ہوئی ہیں اس کو بچانے کی فکر کریں اور تھوڑا سا روٹین سے ہٹ کر اپنے دماغ کا استعمال کریں، تو شاید حالات نئے کروٹ لیں، اور انسانوں کو انسانیت کا صحیح مزا آئے۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

قرآن کریم اور نظام زندگی

عبد السبحان ناخدا ندوی

یہ بات ہر طالب قرآن جانتا ہے کہ قرآن کریم دنیا کے نظام میں اپنی حصہ داری کے لئے نہیں اترا، بلکہ اس کے نزول کا ایک اہم اور بنیادی مقصد دنیا کو صحیح نظام زندگی دے کر اس کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔قرآن نے اپنا تعارف یوں کیا ہے:﴿إِنَّ هَـذَا الْقُرْآنَ يِهْدِيُ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾(بنی اسرائیل:۹) (بے شک یہ قرآن اس طریقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ درست ہے) وہ یہ بھی کہتا ہے:﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَاب ---﴾(الکہف:۱) (اصل تعریف اللہ کی ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کسی بھی طرح کی کجی نہیں رکھی)۔اس کا اپنے متعلق ایک فرمان یہ ہے:﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَـذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ......﴾(حٰمٓ السجدة:۴۱،۴۲) (بے شک یہ قرآن عزت والی کتاب ہے۔کوئی غلط چیز اس کے پاس نہیں آسکتی۔نہ اس کے سامنے سے (یعنی کھلم کھلا) اور نہ اس کے پیچھے سے (یعنی چوری چھپے)۔ایک حکمت والی قابل تعریف ہستی کی طرف سے اس کتاب کو اتارا گیا ہے)۔لہٰذا قرآن کے ماننے والوں کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کو قرآن کریم کی برکتوں سے روشناس کراتے رہیں، اپنے علم سے، عمل سے، کردار سے اور قرآن کریم کی سچی دعوت سے۔اب رہا یہ سوال کہ قرآنی دعوت کو نہ ماننے والوں کے ساتھ پُر امن بقاء باہمی کے تعلق سے خود قرآن کا کیا نظریہ ہے؟ کیا یہ ممکن ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ”ہاں“ میں ہے۔اور اس کی تفصیل قرآن کی روشنی میں کچھ یوں ہے:

۱-اگر کسی ملک میں مسلمان اور غیر مسلم یکساں حق کے ساتھ رہتے ہوں تو ایسے موقعہ پر دعوت دین کو ایک مشن کے طور پر انجام دینا امّت کی مجموعی ذمہ داری ہے۔اور یہی عمل ان مخصوص حالات میں انجام دیا جانے والا سب سے بڑا جہاد بھی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَن......﴾(النحل:۱۲۵) (اپنے رب کے راستہ کی دعوت، حکمت کے ساتھ اور اچھے وعظ ونصیحت کے ساتھ دو، اور سب سے بہتر انداز اپنا کر ان سے بحث ومباحثہ بھی کرو، آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہیں)۔

۲-وہ اگر ہماری دعوت قبول کرلیں تو سر آنکھوں پر۔اگر وہ بحث ومباحثہ کریں تو اچھا انداز اپنا کر اس مباحثہ کو اپنے حق میں نتیجہ خیز بنائیں۔﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾(اور سب سے بہتر انداز اپنا کر ان سے بحث ومباحثہ بھی کرو) میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔اگر یہ بھی ممکن نہ ہو اور وہ کٹ حجتی پر اتر آئیں تو پھر خواہ مخواہ مباحثہ کو طول نہ دیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ میں صاحبِ ایمان ہوں اور مجھے اپنے اسلام پر اطمینان ہے۔تمہیں اسلام قبول ہو تو کیا کہنے، اگر قبول نہ ہو تو سن لو کہ میں نے بات پہنچادی۔باقی اللہ سب دیکھ رہا ہے۔﴿فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ......﴾(آل عمران:۲۰)، (اگر وہ لوگ آپ سے بحث ومباحثہ کریں تو پھر آپ یہ کہہ دیں کہ بھئی میں نے تو اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کردیا اور میرے ساتھ والے بھی ایسا کرچکے، اور (اے نبی) آپ اہل کتاب اور ان پڑھوں سے (یعنی پڑھے لکھے اور ان پڑھ دونوں سے) بس یہ پوچھئے کہ کیا تمہیں اسلام قبول ہے؟ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو وہ ہدایت پاگئے، اگر انہوں نے منہ پھیر لیا تو آپ کے ذمہ بس یہی ہے کہ بات صاف صاف پہنچادیں۔باقی اللہ تو اپنے سب بندوں کو دیکھ ہی رہا ہے)۔

پُر امن بقاء باہمی یا رواداری کا مطلب انسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہے۔یہ نہیں کہ دونوں کا دین بالکل یکساں ہو۔قرآن کریم کا اعلان ہے:﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ﴾(آل عمران:۱۹) (دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے)۔اور وہ یہ بھی کہتا ہے:﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾(آل عمران:۸۵) (جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی چاہت

رکھے گا تو اللہ کی طرف سے اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نامراد ہوگا)۔ کسی کو دعوت دی جائے تو قرآن کی ہدایت یہ ہے کہ اسلوب تو اچھا رکھا جائے لیکن دو متضاد ادیان کو نہ ملایا جائے۔ بلکہ یوں کہا جائے: ﴿وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سبا ۲۴) (ہم ہوں یا تم، دونوں میں ایک یا تو ہدایت پر ہے یا پھر کھلی ہوئی گمراہی میں)، (بس غور کیا جائے کہ کون کس پر ہے)۔ اگر وہ اپنی کسی (مذہبی) کتاب کا حوالہ دیں تو اصولی طور پر یہ بات کہی جائے: ﴿وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ﴾ (الشوری ۱۵) (اور آپ کہئے کہ اللہ نے جو بھی کتاب اتاری ہے میں اسے مانتا ہوں)۔

۳-ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ قرآن کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ﴾ (الأنعام ۱۰۸) (یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں تم ان معبودوں کو برا بھلا مت کہو، جواباً وہ بھی ناحق، بغیر جانے بوجھے اللہ کو برا بھلا کہیں گے)۔ اس آیت سے یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی قوم کی مذہبی شخصیات کو مجروح نہ کیا جائے، مبادا وہ ہماری محترم اور مقدس شخصیات کو مجروح کرنے لگیں۔

۴-ان کے مذہبی کاموں کو جو شریعت کی نگاہ میں فضول ہیں انہیں علیٰ حالہ چھوڑ دیا جائے خود ان کے کاموں میں ہرگز دلچسپی نہ لی جائے، لیکن بالجبر ان کو روکنے کی کوشش بھی نہ کی جائے۔ سورۃ قل یا أیہا الکافرون میں یہی پیغام دیا گیا ہے کہ اپنے دین پر پوری غیرت وخودداری کے ساتھ قائم رہا جائے، دعوت حق کا فریضہ انجام دیا جاتا رہے، پھر بھی کوئی اپنے دین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو تو اسے اس کے دین پر رہنے دیا جائے۔ اصل فیصلہ اللہ کے دربار میں ہوگا۔ ﴿كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام ۱۰۸) (ہر امّت کے لئے ہم نے ان کے کاموں کو مزین بنا رکھا ہے۔ پھر ان کو پلٹ کر اپنے رب ہی کے پاس آنا ہے جو ان کو بتلادے گا کہ وہ کون سے کام کررہے تھے)۔

۵-ان کی تمام معاشرتی رسمیں جو شریعت کے نزدیک فضولیات اور لغویات میں شمار ہوتی ہیں ان سے اپنا دامن محفوظ رکھا جائے۔ نہ اس میں شامل ہوں اور نہ بالجبر اُن کو روکیں۔ ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ ......﴾ (القصص ۵۵) (جب ان کے (اہل ایمان کے) کانوں میں کوئی فضول چیز پڑ جاتی ہے تو وہ رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ، تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔ تم سے سلامتی اچھی، ہم جہالت زدہ لوگوں سے راہ ورسم نہیں رکھتے ہیں)۔ یا یہ کہ ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً﴾ (الفرقان ۷۲) (ان کو جب کسی بے ہودہ چیز کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں)۔

۶-عام حسن اخلاق پر مبنی کاموں سے ایسے لوگوں کو محروم نہیں رکھا جائے گا جو مسلمانوں سے کھلم کھلا دشمنی نہیں رکھتے اور مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ کارروائیاں نہیں کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ انصاف کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی شریعت میں مطلوب ہے۔ ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ ......﴾ (الممتحنة۸) (جو لوگ دینی معاملہ میں تم سے لڑے نہیں اور نہ تمہیں اپنے وطن سے نکالا ان کے ساتھ نیکی کرنے اور انصاف کا معاملہ کرنے سے اللہ تمہیں بالکل منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

۷-انسانی ہمدردی پر مشتمل تمام کام جس طرح مسلمانوں کے ساتھ کرنا باعث اجر وثواب ہیں اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ کرنا بھی اجر وثواب کا باعث ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مسکین کو کھانا کھلانے یا کسی نادار کو دینے دلانے کی بات آئی ہے وہاں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ صرف چند مخصوص معاملات میں مسلمانوں کو دینے کی شرط عائد کی گئی ہے جن میں بالخصوص زکاۃ سرفہرست ہے۔ باقی تمام کاموں میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی حسن سلوک اور احسان سے عبارت تھی اور اس میں اپنوں اور غیروں کی کوئی تفریق نہیں تھی۔

۸-عدل وانصاف کے باب میں اس کی سخت تاکید ہے کہ خواہ کوئی دینی دشمنی ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر اس کا حق بنتا ہے تو زیادتی کر کے اسے اس کے حق سے محروم کرنا جائز نہیں۔ مشرکین مکہ

نے ناجائز طور پر مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکا تھا، اور اس پر مسلمان سخت ناراض تھے۔ لیکن اس ناراضگی کی بنیاد پر خود مسلمانوں کو زیادتی کی اجازت نہیں دی گئی، بلکہ سختی کے ساتھ منع کیا گیا: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا (المائدہ ۲) (کسی قوم کی تمہارے ساتھ یہ دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تمہیں ہرگز اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرنے لگ جاؤ)۔

۹- اجتماعی خیر و بھلائی کے کام جس طرح مسلمان باہم مل کر کرتے ہیں اسی طرح غیر مسلموں کو بھی شامل کرکے کئے جاسکتے ہیں۔ بس یہ شرط ہے کہ ان کے مذہبی معاملات میں قدم نہ پڑیں۔ یعنی انسانیت کی بنیاد پر تمام کارِ خیر کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ اپنی مذہبی شناخت پر بھی حرف نہ آئے۔ یہ اول و آخر شرط ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰- کسی کے پڑوس میں کوئی غیر مسلم رہتا ہو تو ہمسائیگی کے حق میں وہ بھی شریک مانا جائے گا۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں جہاں حقوق کی ادائیگی ہی نہیں بلکہ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، وہیں غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ بھی حسن سلوک پر زور دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ......﴾ (النساء ۳۶) (اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کچھ شریک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، قرب رکھنے والے پڑوسی، اجنبی پڑوسی، پہلو کے ساتھی، راہ چلتے مسافر اور اپنے زیر ملکیت باندی اور غلام سب کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا)۔ متعدد مفسرین نے "الجار الجنب" (اجنبی پڑوسی) کا مطلب غیر مسلم پڑوسی بتایا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ یہودی پڑوسیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کے واقعات احادیث و سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں کوئی چیز پکی یا کہیں سے آئی تو آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے فلاں یہودی پڑوسی کو کچھ اس میں سے ہدیہ کیا؟ اسی طرح ایک یہودی لڑکا کبھی کبھار آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہوا تو اس کی عیادت کے لئے آپ ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ دوران عیادت اسے اسلام کی دعوت بھی دی جو اس نے قبول کرلی۔ آپ ﷺ جب واپس تشریف لائے تو زبان مبارک پر یہ کلمات تھے: "الحمدللہ الذی أنقذہ من النار" (اصل تعریف تو اللہ کی ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا)۔

۱۱- شرک اللہ رب العزت کو کس قدر ناپسند ہے، ہر مسلمان اس سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء ۴۸) (بے شک اللہ اسے معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے البتہ شرک سے کمتر گناہوں کو جس کے حق میں چاہے گا معاف کردے گا)۔ اس کے باوجود خود اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ کسی کے والدین اگر مشرک ہوں اور وہ اپنی اولاد پر شرک کے لئے دباؤ بھی ڈالتے ہوں تو ان کی یہ بات تو نہیں مانی جائے گی، لیکن ان کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ کو پھر بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ......﴾ (لقمان ۱۵) (اگر وہ دونوں تم پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک کرو جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہ ہو (یعنی جس کا وجود ہی نہیں ہو) تو ان کی یہ بات نہ ماننا البتہ دنیا میں ان کے ساتھ بھلے انداز سے گذر بسر رکھنا)۔

جہاں مسلمان رہتے ہوں یا جہاں ملی جلی آبادی ہو وہاں معاشرتی امن وامان کو قائم رکھنے بلکہ اسے فروغ دینے کے یہ وہ بنیادی اور دائمی اصول ہیں جو قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے مرحمت فرمائے۔ جن پر مسلمان چلے، اور ایک عالم کو اپنا گرویدہ کیا۔ اشاعت اسلام کے دعوتی مشن میں اس سے فائدہ اٹھایا اور دنیا کو دکھایا کہ معاشرہ امن وامان کا گہوارہ کیسے بنتا ہے۔ یہی حقیقی رواداری ہے اور قرآن کا بخشا ہوا غیرت مند تصور امن ہے۔

قرآن کریم کی یہ حکیمانہ ہدایات اور سیرت کے یہ تابندہ نقوش ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ معاشرتی امن وامان کس طرح قائم ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنے دعوتی مشن کو کیسے آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

نفاس اور استحاضہ
کے شرعی احکام

مفتی راشد حسین ندوی

نفاس کیا ہے؟ نفاس کے لفظی کے معنی عورت کے بچہ جننے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں نفاس کے معنی بچہ کی ولادت کے بعد جاری ہونے والے خون کے ہیں۔(شامی ۱/۲۱۹)

نفاس کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت:- نفاس کی اقل مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اگر تھوڑی دیر بھی خون آکر بند ہوجائے تو اس پر پاک عورت کے احکام ثابت وجاری ہوں گے، البتہ اکثر مدت چالیس دن ہے، چالیس دن سے زیادہ خون آئے تو وہ استحاضہ کا ہوگا، اس لیے کہ ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ’’نفاس والی عورت آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چالیس دن بیٹھتی تھی‘‘۔ (شامی ۱/۲۱۹، ۲۲۰، ہندیہ ۱/۳۷)

جب بچہ ساقط ہوجائے:- اگر بچہ وقت سے پہلے ساقط ہوجائے یا اسقاط کرادیا جائے (واضح رہے کہ اگر چار مہینے سے کم کا حمل ہے، تو کسی مجبوری کی وجہ سے اسقاط کی شرعاً گنجائش ہوسکتی ہے لیکن اگر چار مہینے سے زائد کا حمل ہے تو شرعاً کسی بھی صورت میں اسقاط جائز نہیں ہے) تو اگر بچہ کی انگلی ناخن یا بال وغیرہ جیسے کچھ اعضاء بن گئے تھے تو وہ مکمل بچہ کے حکم میں ہوگا، اور اس کے بعد جاری ہونے والا خون نفاس کا خون مانا جائے گا، یہ اعضاء چار مہینے مکمل ہونے پر ہی ظاہر ہوتے ہیں، لہٰذا اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ چار مہینے کا حمل ساقط ہوجائے تو نفاس کے احکام جاری ہوجائیں گے، اور اگر اس سے پہلے بچہ ساقط ہو یا کرایا جائے تو جاری ہونے والا خون نفاس کا نہیں مانا جائے گا، بلکہ اگر یہ تین دن یا اس سے زیادہ دن جاری رہے اور اس سے پہلے پندرہ دن یا اس سے زیادہ طہر کی مدت رہے تو حیض کے خون کے احکام جاری ہوں گے، اگر یہ خون تین دن سے کم رہے، یا رہے تین دن، لیکن اس سے پہلے پندرہ دن یا اس سے زیادہ کا طہر نہیں رہا تو یہ استحاضہ کا دم ہوگا، اسی طرح دس دن سے اگر بڑھ جائے تو دس دن سے بڑھنے والا استحاضہ کا دم ہوگا۔(شامی ۱/۲۲۱، ہندیہ ۱/۳۷)

اگر نفاس کی کوئی عادت ہو:- اگر کسی عورت کا ابتدائی حمل ہے، اور اسے چالیس دن سے زیادہ تک خون آتا رہا، تو چالیس دن تک آنے والے خون پر نفاس کے احکام جاری ہوں گے، اور جو اس سے بڑھ جائے وہ استحاضہ کا خون قرار دیا جائے گا، اور اگر کسی عورت کے نفاس کی کوئی عادت ہے پھر اس کو ایک دفعہ مسلسل دم آنے لگا، یہاں تک کہ چالیس دن سے بڑھ گیا تو وہ نفاس کا دم صرف ایام عادت تک آنے والے دم کو قرار دے گی، بقیہ ایام استحاضہ کے ہوں گے۔(ہندیہ ۱/۳۷)

جب آپریشن سے ولادت ہو:- آج کل نارمل ڈلیوری کے ساتھ کثرت سے آپریشن کے ذریعہ بھی ولادت ہوتی ہے، اگر ہوشیار ڈاکٹر اس کا مشورہ دے تو آپریشن کرانا جائز ہے، پھر آپریشن کے بعد جب شرمگاہ سے دم جاری ہوجائے تو اسے نفاس والی عورت قرار دیا جائے گا، اور اگر فرض کریں شرمگاہ سے خون نہ بہے تو اس پر غسل اس صورت میں بھی ضروری ہوگا۔(شامی ۱/۲۱۹)

نفاس کے احکام:- نفاس کے بھی مکمل طور پر وہی احکام ہیں جو حیض کے ہیں، یعنی اس حالت میں نماز، روزہ نہیں کرسکتی، نماز معاف ہوجاتی ہے، لیکن روزوں کی بعد میں قضا لازم ہے، اسی طرح تلاوت بھی کرنا اس کے لیے منع ہے، شوہر اس سے جماع بھی نہیں کرسکتا، پوری تفصیلات ہم حیض کے احکام میں بیان کرچکے ہیں، لہٰذا دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر جس طرح حیض کے ختم ہونے پر غسل ضروری ہے، اسی طرح نفاس کے ختم ہونے پر بھی غسل ضروری ہے۔(ہندیہ ۱/۳۹)

کچھ علاقوں میں یہ دستور ہے کہ ولادت والی عورتوں کا جب خون رک جاتا ہے تو غسل کرتی ہیں، اس کو چھوٹا غسل کہا جاتا ہے، لیکن

ابھی اگر چالیس دن نہ گزرے ہوں تو نماز، روزہ شروع نہیں کرتی ہیں، اپنے کو ناپاک خیال کرتی ہیں، پھر جب چالیس دن مکمل ہوجاتے ہیں تو پھر غسل کرتی ہیں، اس کو بڑا غسل کہا جاتا ہے، اس کے بعد اپنے کو پاک قرار دیتی ہیں، اوپر ہم نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہ طریقہ غلط ہے، جب خون رک جائے اسی وقت غسل کرکے اپنے کو پاک سمجھنا چاہیے، اور تمام معمولات شروع کردینے چاہئیں۔

استحاضہ کیا ہے؟ جب کسی عورت کو مسلسل خون آئے، یا خون آنے کے جو اوقات ہیں ان کے علاوہ دنوں میں آئے اور اس کو حیض یا نفاس نہ قرار دیا جاسکتا ہو، مثلاً: تین دن سے کم آئے یا دس دن سے بڑھ جائے، یا ولادت کے وقت چالیس دن سے بڑھ جائے، یا حیض ونفاس کی عورت کی پہلے سے جو عادت ہو اس سے بڑھ کر حیض ونفاس کی اکثر مدت سے بڑھ جائے، تو یہ استحاضہ ہے۔ (ہندیہ ۱/۳۷، ۳۸، فقہ السنہ ۱/۸۲)

معتادہ کا حکم:- اگر کسی عورت کو اس طرح کی سیلان الرحم کی بیماری ہوجائے تو اگر پہلے سے اس کو حیض کی کوئی عادت تھی، بعد میں اس طرح کی بیماری ہوگئی، تو حیض کے جتنے ایام ہیں ان کو حیض قرار دے گی، پھر ان کے ختم ہونے کے بعد غسل کرے گی، اور نماز روزہ شروع کردے گی۔ (شامی ۱/۲۲۰)

اس لیے کہ مسلم وبخاری وغیرہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک ایسی عورت کے بارے میں استفتاء کیا، جس کو کثرت سے دم آتا تھا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ان کو چاہیے کہ ان راتوں اور دنوں کی مقدار پر غور کریں جن میں ان کو حیض آیا کرتا تھا، اور ان میں نماز چھوڑ دیں، پھر وہ غسل کریں اور شرمگاہ پر کپڑا لپیٹ لیں پھر نماز پڑھیں"۔

مبتداہ کا حکم:- اور اگر عورت اس بیماری کے ساتھ ہی بالغ ہوئی، اس کو پہلے سے حیض کی کوئی عادت نہیں تھی، تو اس صورت میں ابتدائی دس دنوں کو حیض کے شمار کرے گی پھر غسل کرکے نماز روزہ شروع کردے گی، اور اور بیس دن اسی طرح کرتی رہے گی، پھر دوبارہ دس دن حیض کے قرار دے کر نماز روزہ چھوڑ دے گی۔ (شامی ۱/۲۲۰)

متحیرہ کا حکم:- اور اگر اس کی کوئی عادت تھی، لیکن وہ اس عادت کو بھول گئی ہے اس کو یہ یاد ہی نہیں ہے کہ مہینہ میں کس وقت اور کتنے دن اس کو حیض آتا تھا اور کتنے دن وہ پاک رہتی تھی تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ تحری کرے یعنی خوب غور وفکر کرے اگر کسی ایک طرف غلبہ ظن ہوجائے تو اسی پر عمل کرے، اور جس وقت اسے غالب گمان ہوجائے کہ اب حیض ہوگیا ہے تو نماز ترک کردے، اور جب یہ گمان غالب ہو کہ اب استحاضہ شروع ہوگیا ہے تو غسل کرکے پاک ہوجائے اور نماز روزہ شروع کردے۔ (شامی ۱/۲۲۰)

اور اگر تحری کے باوجود اسے کچھ یاد نہ آئے تو اس کے لیے احتیاط کا حکم ہے، لیکن یہ صورت کم پیش آتی ہے، لہٰذا ہم اس کی تفصیلات نہیں لکھ رہے ہیں، ضرورت پڑنے پر کسی مستند عالم سے معلومات حاصل کرلی جائیں۔

استحاضہ کا حکم:- مستحاضہ عورت معذور شخص کے حکم میں ہے، لہٰذا جن ایام کے خون کو استحاضہ قرار دیا جائے ان ایام میں اپنے کو پاک سمجھے گی، نماز، درس وتدریس اور اس طرح کے تمام امور انجام دے سکتی ہے، البتہ اسے معذور کی طرح ہر نماز کے لیے الگ سے وضو کرنا ہوگا، پھر یہ وضو خون بہنے کی وجہ سے اس نماز کے وقت میں نہیں ٹوٹے گا، لیکن نماز کا وقت ختم ہوتے ہی خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ (شامی ۱/۲۱۸، ۲۱۹)

چنانچہ بخاری کی روایت میں صراحت سے آیا ہے: "پھر ہر نماز کے لیے وضو کرو"، نیز ابوداؤد کی روایت میں عکرمہ بنت حمنہ سے مروی ہے کہ ان کے شوہر استحاضہ کی حالت میں ان سے جماع کیا کرتے تھے"۔

حالت حمل میں آنے والا دم:- اگر کسی عورت کو حالت حمل میں خون آئے تو اس کو بھی استحاضہ کا خون قرار دیا جائے گا، چنانچہ وہ نماز روزہ نہیں چھوڑے گی اور اپنے کو پاک سمجھتی رہے گی، یہاں تک کہ ولادت کے درمیان بھی جب تک اکثر بچہ باہر نہ آجائے اس سے پہلے آنے والا خون استحاضہ قرار دیا جائے گا۔ (شامی ۱/۲۰۸، ۲۰۹)

نو سال سے پہلے آنے والا دم:- بچیاں نو سال سے پہلے شرعی طور پر بالغ نہیں قرار دی جاتی ہیں، لہٰذا اگر کسی بچی کو

۹ر سال سے پہلے خون آجائے تو وہ بیماری کا خون ہوگا، اور اس پر استحاضہ کے احکام جاری ہوں گے۔ (شامی ۱؍۲۰۸)

اسی طرح ۵۵ر سال کے بعد عام طور سے عورتوں کو حیض آنا بند ہوجاتا ہے، لیکن اگر کسی عورت کو اس عمر کے بعد خون بند ہوجائے اور وہ سیاہ یا سرخ رنگ کا ہو تو اسے حیض قرار دیا جائے گا، اور اگر ہلکے رنگ کا ہو تو اسے استحاضہ قرار دیا جائے گا۔ (شامی ۱؍۲۲۲)

لیکوریا کا حکم:- مرض یا کمزوری کی وجہ سے نکلنے والا سفید مادہ ناپاک ہے، اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور کپڑے پر لگ جائے تو اسے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے، جس عورت کو بھی کبھی یہ مرض لاحق ہو وہ وضو کر کے نماز روزہ کرتی رہے، پورا وقت اس طرح گزر جائے کہ فرض نماز پڑھنے کا موقع نہ مل پائے تو یہ عورت معذور کے حکم میں ہوجاتی ہے، اب اس کے لیے ایک نماز کے پورے وقت میں ایک مرتبہ وضو کافی ہوگا، سفیدی نکلنے سے بار بار اسے وضو کرنا پڑے گا، یہ حکم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ ہر نماز میں کم از کم ایک مرتبہ یہ عذر پایا جاتا رہے۔ (کتاب المسائل ۱؍۲۲۰، بحوالہ فتاوی محمودیہ جدید ۵؍۲۲۳، ۲۲۴)

بقیہ: غیب کی پانچ کنجیاں

موت کا علم: اسی طرح کوئی یہ نہیں جانتا کہ کب اور کہاں اس کی موت واقع ہوگی، کس سرزمین میں اس کی موت واقع ہونے والی ہے، اس کے بھی عجیب وغریب واقعات ہیں کہ آدمی پریشان ہوتا ہے کہیں چلا جاتا ہے، ملک کے پارٹیشن میں اس کے کتنے واقعات وابستہ ہیں، ہزار چاہنے کے باوجود آدمی پتہ نہیں کہاں جا کر مرے، اور کیسے مرے؟ کوئی ایکسیڈنٹ میں جا رہا ہے، کوئی اٹیک میں جا رہا ہے، کوئی کسی اور مرض میں جا رہا ہے، کوئی کسی اور طریقہ سے جا رہا ہے، کوئی کہاں جا رہا ہے کچھ پتہ نہیں۔

حضرت سلیمانؑ کے دور کا واقعہ ہے ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام تشریف فرما تھے اور ملک الموت آئے اور ان کے پاس ایک صاحب اور بیٹھے ہوئے تھے، ملک الموت نے کہا اس شخص کی روح فلاں جگہ سینکڑوں میل دور پر قبض کرنا ہے، اور اس کا وقت قریب ہے اور یہ یہاں بیٹھا ہوا ہے، اور آرڈر یہ ہے کہ اس کی روح وہاں قبض کی جائے، بس ایک دم سے اس کو گھبراہٹ ہوئی اور اس نے کہا حضرت میں وہاں جانا چاہتا ہوں، حالانکہ کوئی وجہ نہیں تھی، تو حضرت سلیمان علیہ السلام مسکرائے کہ موت اس کو لے جا رہی ہے، تو اپنے تخت کو آرڈر دیا کہ اس پر بیٹھ جاؤ اور اڑ کر وہاں پہنچ جاؤ۔

ایسے ہی آج کل جہاز ہیں کہ آج کل لوگوں کے کتنے واقعات ہیں کہ یہاں سے اڑ کر گئے اور وہاں انتقال ہوگیا، معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز سے موت کے لیے گئے تھے، تو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کس سرزمین میں کس کی موت واقع ہوگی؟

قیامت کا علم: اسی طرح اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ اور جو جاننے کے دعویدار ہیں وہ سب جھوٹے ہیں، کب آئے گی، اس کی علامات بتا دیں، جیسے بارش کی علامات ہیں ایسے ہی قیامت کی علامات ہیں، ہر چیز کی علامات ہیں، ان کو جو جتنا زیادہ جانتا ہے اتنا سمجھتا ہے کہ وہ چیز قریب ہے، جیسے بارش ہی ہے اس کی علامات جو جانتے ہیں وہ بتا دیتے ہیں کہ بارش ہونے والی ہے، لیکن ضروری نہیں ہے، بعض دفعہ معلوم ہوا بارش ہونے والی ہے لیکن نہیں ہوئی، اور بعض دفعہ اس کے برعکس بھی ہوجاتا ہے، لیکن بڑے ماہرین بتا دیتے ہیں کہ بارش ہوگی، لیکن یہ بھی کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ استثناءات ہیں، اس لیے آدمی کو اس بات پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے، جو غیب کا جاننے والا ہو کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ کس کی موت کہاں واقع ہوگی؟ قیامت کب آئے گی؟ اور ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، یہ سب اور اس کے علاوہ بھی جو غیب کی چیزیں ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا، یہ بھی توحید ہے، اور جو لوگ ادھر ادھر کی غیب کی خبریں بیان کرتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، بس ان کو بعض چیزیں معلوم ہوجاتی ہیں اور پھر وہ اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر بہت کچھ ہانکتے رہتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان کو غیب کا علم ہے، لیکن یہ حتمی اور صحیح بات نہیں ہوتی کہ اس پر یقین یا اعتبار کیا جا سکے، اصل تو اللہ کی توحید ہے کہ تمام خبروں کا جاننے والا بھی اسی کو مانا جائے۔

سلام کی فضیلت
اوراس کے آداب

خلیل احمد حسنی ندوی

سلام دلوں کو جوڑتا ہے، محبت بڑھاتا ہے، فاصلے گھٹاتا ہے، دل کی کدورت کو دور کرتا ہے، غلط فہمیوں کا ازالہ کرتا ہے، بدگمانیوں کا خاتمہ کرتا ہے، تعاون کے جذبہ کو فروغ دیتا ہے، اخوت ویگانگت کی فضا قائم کرتا ہے، اپنائیت کا احساس دلاتا ہے، آپ ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا أولا أدلكم على شئ إذا فعلتموه تحاببتم أفشوا السلام" (أخرجه مسلم)

(تم جنت میں اس وقت تک نہیں داخل ہوسکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آو، اور ایمان اس وقت تک نہیں لا سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں جس کو تم اپناؤ گے تو آپس میں محبت پیدا ہوجائے گی، اوروہ چیز یہ ہے کہ سلام کو آپس میں عام کرو)

ہرزمانہ میں دنیا کی متمدن قوموں میں ملاقات کے موقع پر پیار ومحبت اورخوشی کے اظہار کے لیے کوئی نہ کوئی کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے، امت مسلمہ کو نبی کریم ﷺ نے السلام علیکم کہنے کی تاکید فرمائی ہے، سلام صرف محبت وتعلق کے اظہار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ عافیت و سلامتی کی ایک جامع ترین دعا بھی ہے، اگرملاقات کرنے والا پہلے سے شناسا اور متعارف ہوتو اس سلام سے مزید تعلق ومحبت کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ پھر یہی سلام تعلق واعتماد اورخیر سگالی کا ذریعہ بن جاتا ہے، بہرحال یہ اسلام کا شعار اورایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے، آپ ﷺ نے اس کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں، سلام محبت بڑھاتا ہے، سلامتی کی راہ ہموار کرتا ہے، تکبر کا علاج کرتا ہے، بندے کو رب سے قریب کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "ان اولى الناس بالله من بدأ هم بالسلام" (ابوداؤد) کہ سلام میں پہل کرنے والا اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب کہیں تشریف لے جاتے تو سلام کرکے اپنی آمد کی اطلاع کرتے، پھر جب گھر والا نکل کر باہر آتا تو ملاقات کا سلام کرتے، اور جب مل کر واپس ہوتے تو تیسرا سلام کرتے اور یہ رخصتی کا سلام ہوتا۔ (بخاری)

سلام کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ سلام کرنے والے کو دس نیکیاں ملتی ہیں، اور جو سلام کے ساتھ "ورحمة الله" کا اضافہ کرے اس کے لیے بیس، اور جو "ورحمة الله" کے بعد "وبرکاتہ" بھی لگادے اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور سلام کیا (السلام علیکم)، آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا، دس، پھر دوسرے صحابی آئے اور سلام کیا، (السلام علیکم ورحمة الله) آپ ﷺ نے ان کے سلام کا بھی جواب دیا وہ بھی بیٹھ گئے آپ نے فرمایا، بیس، پھر ایک اور صحابی تشریف لائے اور سلام کیا (السلام علیکم ورحمة الله وبرکاتہ)، آپ ﷺ نے جواب دیا، اور وہ بھی بیٹھ گئے آپ ﷺ نے فرمایا، تیس (ابوداؤد) قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے، ﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا﴾ (النساء: ۸۶) (جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طریقے سے سلام کرو یا اتنا ہی جواب دے دو)۔

سلام کے احکام میں سے یہ بھی ہیں کہ جب آڑ ہوجائے اور دوبارہ ملاقات ہو تو پھر سلام کریں، اگر تنہا فرد ہو تو وہ جماعت کو سلام کرے، اسی طرح کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں، سوار پیدل کو کرے، اور آنے والے بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کریں، حدیث شریف میں ہے: "يسلم الصغير على الكبير والمار على القاعد والقليل على الكثير" (ابوداؤد) اسی طرح رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے، حدیث شریف میں ہے: "اذا لقي أحدكم أخاه فليسلم عليه فان حالت بينهما شجرة أو جدار أو حجر ثم لقيه فليسلم عليه"، سلام باہمی رنجشوں، آپسی نااتفاقیوں کو ختم کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: "کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھے، دونوں کی ملاقات ہو لیکن دونوں ایک دوسرے سے چہرہ پھیرے رکھیں.........(باقی صفحہ ۷ پر)

محبت کا صلہ

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ (رضي الله عنه) قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تَرىٰ رَجُلًا أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. (البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے لوگوں سے محبت کی، لیکن ان کے مرتبہ کا نہیں ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا: آدمی جس کو چاہتا ہے، اسی کے ساتھ ہوگا۔

فائدہ:- مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب ایمان کو محبت کرنے میں بہت حساس ہونا چاہیے، کیونکہ قیامت کے دن انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے، اسی لیے قرآن کریم میں ہر موقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے کو ترجیح دی گئی ہے، اور اس کو اہل ایمان کی خاص صفت قرار دیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵) (اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے لیے یہ بات ہرگز درست نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر کسی اور سے دل لگائیں، کیونکہ اگر انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے تو اس کے اندر وہی عادات منتقل ہوتی ہیں جو اہل ایمان کی شناخت ہیں، لیکن اگر کسی شخص کا معاملہ اس کے برخلاف ہے اور وہ غیر کی محبت میں گرفتار ہے، اور اس کے رسم و رواج کو پسند کرتا ہے، تو اس کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہوگا، اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے دوستی کرنے کے متعلق یہ بات واضح فرمادی کہ ''انسان کو دوستی سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کررہا ہے،'' جس کی وجہ یہی ہے کہ محبت کے اندر جذب کرنے کی غیر معمولی صلاحیت پائی جاتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ایسے انسان سے دوستی رچاتا ہے، جس کا ایمان سے کوئی واسطہ نہ ہو، تو اس کے اندر وہی صفات منتقل ہوتی ہیں، جو اس کو ایمان سے بیزار کرنے پر آمادہ کرتی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسے انسان سے دوستی کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی ہے تو اس کی صحبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا مقام بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عشق رسول ﷺ میں بڑھ جاتا ہے، حدیث قدسی میں آتا ہے ''وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ'' (میری محبت دو ایسے لوگوں کے لیے واجب ہوگئی جو میرے لیے ہی آپس میں محبت کرنے والے ہوں) اسی طرح ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب سورج بہت قریب ہو چکا ہوگا اور تمام لوگ اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینہ میں غرق ہوں گے، اس وقت سات قسم کے لوگوں کو عرش الٰہی کے سایے میں سایہ نصیب ہوگا، اور ان سات قسم کے لوگوں میں سے دو ایسے شخص بھی ہوں گے جنہوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی ہوگی، اور اسی پر جدا ہوئے ہوں گے۔

معلوم ہوا اگر کوئی انسان اللہ کے لیے کسی ایمان والے سے دل لگانے والا ہو تو اس کے لیے نہ دنیا میں کوئی پریشانی ہے، اور نہ ہی آخرت میں، لیکن آج تمام لوگوں کے پریشانیوں میں گرفتار ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ حقیقی محبت سے محروم ہیں، ان کو اپنا دل جس جگہ لگانا چاہیے وہ اس جگہ سے ناآشنا ہو چکے ہیں، کوئی فلمی اداکار کو اپنا دل دیے ہوئے ہے، کوئی کرکٹ کے کھلاڑیوں پر فدا ہے، کوئی محبت کے نام پر دن منانے میں مصروف ہے، کوئی مال کی محبت میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا موقع نہیں ہے۔

غرض کہ معلوم یہ ہوا کہ اگر انسان کو وہ محبت نصیب ہو جائے جو قرآن و حدیث میں مطلوب ہے تو اس کو انہی لوگوں کی رفاقت نصیب ہوگی جن سے اس کو محبت ہوگی، خواہ وہ کسی قوم یا برادری سے تعلق رکھتا ہو، لیکن اگر کوئی شخص اپنے دل میں ان لوگوں کی محبت کو جمائے ہوئے ہو جو ایمان سے بیزار ہیں تو ایسے شخص کے لیے بڑے ڈرنے کی بات ہے، کہ اس کا انجام بھی انہی لوگوں کی فہرست میں لکھا جائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، جیسا کہ روایت میں ذکر کیا گیا کہ انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔

مسلم معاشرہ

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اگر آج کی دنیا میں محاذ جنگ پر مومن کے پاس یعنی مسلم ملک کے پاس، جدید ترین فضائی وزمینی ہتھیار نہ ہوں اور شہادت کی تمنا نہ ہوتو وہ ملک مصاف زندگی میں شکست کھا جائے گا، مومن کا کام یہ نہیں کہ وہ ہر جگہ شبنم کی طرح تحلیل ہوجائے اور موم کی طرح پگھل جائے، وہ حلقۂ یاراں میں نرم ضرور رہتا ہے، مگر حلقہ دشمنان میں یعنی میدان جنگ میں گرم بھی ہوتا ہے، ہمیشہ منفعل اخلاقیات کا حامل رہنا اور اپنے وقار کی حفاظت نہ کرنا پسندیدہ بات نہیں ہے، یہ وہ معتدل نظام اخلاق نہیں ہے جس کا اسلام داعی وعلم بردار ہے، یہ وہ غیر معتدل اخلاق ہیں مسیحیت جن کی تعلیم دیتی ہے، اور جس کے ماننے والے اس پر کبھی عمل نہیں کر سکے، کیونکہ اس میں توازن اور اعتدال نہیں، مثال کے طور پر مسیحیت کی تعلیم یہ ہے کہ دشمن کو بھی پیار کرو، اور اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دشمن کو بھی معاف کرو، یا اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، لیکن اسلام نے یہ نہیں کہا کہ دشمن سے پیار کرو، کیونکہ پیار دل کا فعل ہے اور یہ عملاً ممکن نہیں، اسلام کا نظام اخلاق زیادہ معتدل ومتوازن ہے، اسلام ضرورت پیش آنے پر تلوار اٹھانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔

قہاری وغفاری وقدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

عام حالات میں دوسروں کے ساتھ معاملات میں زبان کی نرمی اور شائستگی کا خاص طور پر خیال ہونا چاہیے، کیونکہ تلوار اور ہتھیار کا زخم آسانی سے بھر جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم آسانی کے ساتھ نہیں بھرتا، خوش زبانی اور خوش بیانی سے بڑھ کر کوئی اور ملاطفت وشرافت نہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی عمل قبول کے قابل ٹھہرتا ہے جس میں اخلاص ہو، اگر انسان بشاشت اور خوش اخلاق کا مجسمہ بن جائے لیکن پیٹھ پیچھے عیب چینی میں مشغول رہے اور برائی کے بیان سے اپنی زبان کو آلودہ کرے تو اس کی یہ ظاہری خوش خلقی فریب و ریاکاری قرار دی جائے گی، اسلام میں جو معاشرت مطلوب ہے، وہ اخلاص کی روح کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا معاشرہ ہے، وہ ایسا معاشرہ ہے کہ جس میں صرف ظاہر نہیں بلکہ باطن بھی ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے، اور آپس کا اعتماد ہے، اور زبان سے موتی جھڑ رہے ہوں اور جب غائبانہ کسی شخص کا تذکرہ ہو تو لازم ہے کہ منفی کے بجائے مثبت انداز اختیار کیا جائے، اگر تنقید کی ضرورت محسوس کی تو قابل تعریف باتوں کا تذکرہ پہلے آئے، اور تنقید میں شائستگی وتہذیب کا ایسا معیار پیش کیا جائے کہ متعلقہ شخص کو اس کی خبر بھی ہوجائے تو اس کی پیشانی پر بل نہ پڑے، اللہ کا فرمان ہے کہ ایک دوسرے کی غیبت مت کرو، اور یہ کہ بدگمانیوں سے پرہیز کرو، کیونکہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہو۔

آج مسلم معاشرہ کا حال اس کے برعکس ہے، زبان کھلتی ہے تو غیبت پر کھلتی ہے، اور دوسروں کی اچھی باتوں اور نیک کاموں کے تذکرے میں بخل سے کام لیا جاتا ہے، کشادہ دلی کے بجائے تنگ دلی، وسعت نظر کے بجائے تنگ ظرفی کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے، اب حال یہ ہوگیا ہے کہ ہر شخص اپنے دوش پر پندار کا ایک صنم کدہ اٹھائے ہوئے نظر آتا ہے، جس محفل میں جایئے وہ محفل تھوڑی دیر میں غیبت زار بلکہ غیبتوں اور بغض وتعصب کے کانٹوں کا خاندان نظر آتی ہے، حالانکہ اسلام کے مزاج کے اعتبار سے اسے حسن اخلاق کا گلزار ہونا چاہیے تھا۔

آج مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اس لیے ہے کہ باہمی اکرام کے بجائے باہمی دشنام کو ہم نے اپنا شعار بنالیا ہے، ہماری زبانیں بے قابو ہوگئی ہیں، کبھی کسی جماعت یا تنظیم کے خلاف، کبھی کسی ذات و برادری کے خلاف، کبھی کسی علاقہ سے تعلق رکھنے والوں کے خلاف ہماری زبانیں محفلوں میں طنز واستہزاء کا زہر اگلتی ہیں، اور اس وقت ہم بزعم خود تعلیم یافتہ بنے رہتے ہیں، اور خود کو دیندار بھی سمجھتے رہتے ہیں اور ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا ہے کہ ہم دائرہ شریعت سے باہر ہوجاتے ہیں......!!

احساسِ زیاں

محمد مکی حسنی ندوی

مذاہب کی تاریخ میں سب سے زیادہ مخالفتوں کا سامنا اگر کسی دین ومذہب کو کرنا پڑا ہے تو وہ صرف اسلام ہے، جس کی بنیادی وجہ اس کی حقانیت، اس کی آفاقیت اور اس کی ترقی پذیری ہے، یہی وجہ ہے کہ سوائے اسلام کے کسی مذہب کی تاریخ میں کوئی بھی سنہرا دور نہیں گذرا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اٹھارہویں صدی تک نہ جانے کتنی بار تاریخ انسانی سنہرے ادوار سے متعارف ہوئی اور ترقی کی چوٹی پر پہنچی۔

تاریخ اسلامی میں ایسی ایسی عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جنھوں نے ایک طرف خدا کی نعمتوں اور خدا کی تخلیقات میں غور وفکر کر کے ایسی ایسی اختراعات پیش کیں جس نے انسان کی زندگی کو ترقیات کے اعلی مدارج تک پہنچادیا، اوران کی خدمات سے یہ دنیا آج بھی مستفید ہو رہی ہے۔ اور دوسری طرف ایسے علماء وداعی پیدا ہوئے جنھوں نے بندوں کو ان کے رب سے جوڑا، ان کی زندگی کا مقصد بتلایا، اور دنیا ہی میں خدا کی جنت سے روشناس کرایا۔

یہ علماء ہیں جن کی راتیں اللہ کی یاد میں گزرتیں تھیں اور دن میں وہ خدمت خلق اور خدمت انسانیت میں خود کو پوری طرح کھپا دیتے تھے اور ایسے تجدیدی کام کرتے تھے جن کی دنیا آج بھی احسان مند ہے۔

حضرت ابن تیمیہؒ کی زندگی اس کی شاہد ہے کہ وہ ایک طرف منکرات، گناہ کبیرہ، ملحدین، مفسدین اور خاص طور پر اس دور کا سب سے بڑا فتنہ تاتاریوں کا مقابلہ کرتے ہیں، ان کے جبار بادشاہ قازان کو بے باکی سے اسلام کے اعلیٰ احکامات سناتے ہیں، اعلان جہاد کرتے ہیں اور فوج مرتب کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ فقہ، حدیث، تفسیر اور ادب کے میدان میں بھی امت کی رہنمائی کرتے ہیں، اس طرح کی شخصیات سے تاریخ پُر ہے جو بڑے بڑے اسلامی کتب خانوں کی رونق ہیں اور جن پر مسلمانوں کو فخر ہے۔

علوم عقلانی و سائنسی تحقیقات کے میدان میں ابن سینا، الرازی، الجاحز، خالد ابن یزید، ابن نفیس، البیرونی، الشاہ رستانی جیسے جلیل القدر سائنسداں ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ قدیم دور سے چلے آرہے یونانی توہم پرستانہ اصول وضوابط کو منسوخ کیا بلکہ الجبرا، علم فلکیات، انسانی جسم، علم حیوانات، علم نبات، علم فلسفہ، کیمیاوی علم، تاریخ، جغرافیہ جیسے علوم پر ہزاروں کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ علوم شریعہ کی ایسی خدمت انجام دی جو آج بھی مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن پر نہ صرف امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کو فخر ہوسکتا ہے، لیکن یہ بھی المیہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ جتنی روشن اور تابناک ہے اتنا ہی اسے تاریک کر کے پیش کیا جاتا ہے، اس کی تعلیمات کو تعصب کے عینک میں دیکھا جاتا ہے، اس کے ماننے والوں کو رجعت پسند، شدت پسند اور دقیانوس باور کرایا جاتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ کہ اس کے ذریعہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکا جاسکے، اور باطل طاقتیں جو تسخیر کائنات کا خواب دیکھتی ہیں وہ بلا کسی رکاوٹ کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکیں۔

آج اسلام کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ مرد وزن کی مساوات کا مخالف ہے، کبھی پردہ کے نام پر صنف نسواں پر ظلم کرنے والا بتلایا جاتا ہے اور کبھی اس کے شعائر ڈاڑھی، ٹوپی اور اذان وجماعت کو دہشت گردی سے جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، تاکہ اس کے ذریعہ سے خود مسلمانوں کی ہمتوں کو پست کیا جاسکے، دعوت کے میدان میں ان کی کوششوں اور کاوشوں کو بے سود وبے اثر کر کیا جاسکے، اور اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے عمومی رجحان کو روکا جاسکے۔

اس سے انکار نہیں کہ اسلام کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈوں کا کچھ اثر ضرور پڑتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے حق میں اس کے مثبت اثرات بھی رونما ہو رہے ہیں، اور خود مغربی ممالک میں ایک بہت بڑی تعداد اسلام کو قریب سے دیکھنے، اس کو سمجھنے اور اس واقفیت کے لیے کوشاں ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روز ایک بڑی تعداد حلقۂ

بگوش اسلام ہوتی ہے۔

لیکن ان پر پیگنڈوں کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ جو مسلمان اسلامی تعلیمات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں اور اسلام سے ان کا رشتہ رسمی طور پر ہے وہ ان پروپیگنڈوں سے بری طرح متاثر ہوتے ہیں، اور اسلام کے سلسلہ میں غیر مطمئن ہوجاتے ہیں، ان کے ذہنوں میں اپنے مذہب سے متعلق مختلف قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اور وہ احساس کمتری میں ایسے گرفتار ہوتے ہیں کہ خود کو اور خاص طور پر اپنے اسلاف کو اس دور کے لحاظ سے کافی پچھڑا ہوا اور مذہب اسلام کو آوٹ آف ڈیٹ سمجھتے ہیں۔

ایسے حالات میں جبکہ مسلم ذہنوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور انھیں احساس کمتری میں مبتلا کر کے اسلام سے برگشتہ کرنے کوشش کی جارہی ہے ضروری ہے انھیں علم وطب اور سیاست وحکومت کے میدانوں میں اسلاف کے کارناموں سے باور کرایا جائے اور اسلام کی حقانیت اور انقلابی تاریخ ان کے سامنے رکھی جائے تاکہ اپنے اسلاف پر، اپنے حال پر اور اسلامی تعلیمات پر ان کا اعتماد بحال ہوسکے، اور وہ حقیقی طور پر مسلمان بن سکیں۔

ہمارے معاشرہ میں یہ کمی ہے، عام طور پر محسوس کی جاتی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اسلاف کے روشن وتابناک کارناموں سے باخبر نہیں کراتے، بلکہ ان کے تعلیمی نظام کو بھی غور سے نہیں دیکھتے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اسکولوں اور کالجوں میں اسلاف کے کارناموں کو غیروں کی زبانی انھیں کے لبادے میں سنتے ہیں جس سے وہ کارنامے خلاف انسانیت کارروائیاں نظر آتی ہیں، اور ان کا تاثر اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کو نہ صرف بے وقعت سمجھتے ہیں بلکہ ان کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

آج بھی جس ماحول وگھرانہ میں اسلاف کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے وہاں کے بچے دین کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ بچے بڑے ہوکر دولت مند اور صاحب عہدہ بننے کے بجائے خالد بن ولیدؓ اور صلاح الدین ایوبیؒ جیسے مصلح قوم وملت بننے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی اولاد کو اسلامی تعلیمات اور اسلام کی سنہری تاریخ سے متعارف کرائیں تاکہ اسلام کے سلسلہ میں ہمارا عقیدہ مضبوط ومستحکم ہو۔

بقیہ: سلام کی فضیلت

......ان میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے" (بخاری)۔

ایک حدیث میں سلام کو ان چار اعمال میں ایک عمل گردانا گیا ہے جس پر دخول جنت کا وعدہ ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "اے لوگوں! سلام کو عام کرو، (غریبوں کو) کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور جب نیند کی آغوش میں ہوں اس وقت نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ" (ترمذی)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا: "اے میرے بچے! جب تم گھر میں داخل ہو تو سلام کرو تم پر اور تمہارے گھر والوں پر برکت کا نزول ہوگا (ترمذی)، یہ تعلیمات ہیں اس نبی کریم ﷺ کی جس کو سلامتی کا پیغمبر بنا کر ایک ایسے معاشرہ میں بھیجا گیا جو انسانی معاشرہ کہلائے جانے کے لائق نہیں تھا، دلوں میں نفرتیں تھیں، عداوتیں تھیں، رنجشیں تھیں، انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کی ان تعلیمات کے نتیجہ میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس کا ہر فرد محبت، ایثار، غمخواری اور قربانی کا ایک نمونہ پیش کرتا نظر آتا ہے، جس کی مثال کسی بھی قوم میں اور کسی بھی زمانہ میں نہیں ملتی، دنیا میں آج جو بھی امن وامان ہے وہ انہی حضرات کے طفیل اور صدقے میں ہے۔

حضرت طفیل بن ابی کعبؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ روز بازار جاتا تھا اور وہ ہر کس وناکس کو سلام کرتے تھے، ایک دن انہوں نے مجھ سے بازار چلنے کے لیے کہا، میں نے عرض کیا، آپ وہاں کیا کرنے جاتے ہیں؟ آج تک میں نے آپ کو وہاں کوئی چیز خریدتے ہوئے نہیں دیکھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا، میں وہاں صرف سلام کرنے کے لیے جاتا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کا گزر حضرت عثمانؓ کے پاس سے ہوا، حضرت عمرؓ نے ان کو سلام کیا، لیکن حضرت عثمان نے جواب نہیں دیا، حضرت عمر کو یہ حرکت نہایت شاق گزری اور انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ سے اس کی شکایت کی، حضرت ابوبکرؓ کو بھی بڑی حیرت ہوئی، اور وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لائے اور ان سے وجہ دریافت کی، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا، میں گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا، ان کے سلام کو سن ہی نہیں سکا۔

سیکولرزم اور اسلام

محمد نفیس خاں ندوی

مغربی مفکرین نے عالمی سطح پر جو پرفریب نعرے دیے ہیں ان میں جمہوریت کے بعد سب سے نمایاں نعرہ ''سیکولرزم'' کا ہے، سیکولرزم لاطینی لفظ ''سیکولم'' (Seculam) سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنی دنیا کے ہیں، قرون وسطیٰ میں رومن کیتھولک پادری دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک گروہ ان پادریوں کا تھا جو کلیسا کے اصول وضوابط کے تحت خانقاہوں میں رہتے تھے، اور دوسرے گروہ میں وہ پادری تھے جو عام شہریوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، کلیسا کی اصطلاح میں ایسے پادریوں کو ''سیکولر پادری'' کہا جاتا تھا، اسی طرح وہ تمام ادارے بھی سیکولر کہلاتے تھے جو کلیسا کے ماتحت نہ تھے۔

عصر حاضر میں سیکولرزم اس نظام زندگی کو کہتے ہیں جس میں مذہب کا کوئی بھی عمل دخل نہ ہو، چاہے اس کا تعلق علم وفلسفہ سے ہو، اجتماعی وسماجی زندگی سے ہو یا پھر ریاست وحکومت سے ہو۔

سیکولر علم وفلسفہ کا مطلب یہ ہے کہ کائنات اور مظاہر فطرت کے مطالعہ سے جو نتائج مرتب کیے جائیں وہ خدا کے تصور سے خالی ہوں، اور انسانی سماج کی تشکیل میں جو کچھ سوچا جائے یا کوششیں کی جائیں وہ ہدایات الٰہی سے بے نیاز ہوں۔

اسلام کے نزدیک علم وفلسفہ کا یہ تصور ناقابل قبول ہے، اس کے نزدیک فلسفیانہ غور وفکر کا صحیح منہاج یہ ہے کہ دیانت داری کے ساتھ معلومات جمع کی جائیں پھر ان معلومات کو اس طور پر مرتب کیا جائے کہ اس کے ذریعہ خدا پرستانہ تصور کی تائید ہو۔ اسی طرح اجتماعی زندگی کی تنظیم کے لیے اسلام عقل انسانی کو ناکافی سمجھتا ہے، اس کے نزدیک ہدایت الٰہی پر مبنی شریعت ہی انفرادی واجتماعی زندگی کی حقیقی رہنما ہے، مزید برآں عقل انسانی تربیت کی محتاج ہے، اور اسلام کا تعمیری وتربیتی نظام ہی اس کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ صالح زندگی کی تعمیر میں وہ اپنا مثبت کردار ادا کرسکے۔

سیکولر سوسائٹی کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی تعلقات کے لیے جو قدریں اور معاملات کی استواری کے لیے جو اصول وقوانین اختیار کیے جائیں وہ مذہب کی بندش سے آزاد ہوں اور ان کی بنیاد عقل انسانی اور تاریخی تجربات پر ہو۔

لیکن اسلام اس نظریہ کی بالکل مخالفت کرتا ہے، جس کی تین بنیادی وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ عقل انسانی اور تاریخی تجربات محدود ہیں، دوسری یہ کہ تاریخی حقائق اور انسانی عقلوں میں باہم اختلافات موجود ہیں، اور تیسرے یہ کہ عقل انسانی خواہشات اور جذبات میں مغلوب ہوجاتی ہے اور ایسے میں ایک عادلانہ نظام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ان وجوہات کی بنا پر اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لیے اخلاقی قدریں اور اصول وقوانین سب کا حقیقی سرچشمہ ہدایت الٰہی ہے، اور اسی کے ذریعہ ایک ایسے سماج کی تشکیل ممکن ہے جس میں انسانی عدل وانصاف اور امن وسکون بہرہ مند ہوسکتا ہے، اور اس ہدایت ربانی کے بنیادی مآخذ انبیاء کرام کی دعوت اور قرآن مجید کا نسخۂ ہدایت ہے۔

سیکولر سوسائٹی کا نعرہ عرصہ سے موجود ہے، لیکن دنیا کے کسی بھی خطہ میں ایسی سوسائٹی نہیں بن سکی، اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کبھی بھی مذہب سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، جو سیکولر سماج کا نعرہ دیتے ہیں ان کی زندگیوں میں بھی مذہب کے اثرات موجود ہیں، خاص کر خاندانی نظام اور سماجی تقریبات میں یہ اثرات زیادہ نمایاں ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ سیکولر سوسائٹی بنانے کا نعرہ ایک متحد المزاج معاشرہ بنانے میں ہمیشہ ناکام رہا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ ایسی سوسائٹی وجود میں آتی ہے جس میں قسم قسم کے تضاد موجود ہوتے ہیں۔ جبکہ اسلام انسانی زندگی کو ہر قسم کے تضاد سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔

سیکولر حکومت یعنی ایک ایسا طرز حکومت جس میں عوام کو اپنے مذہبی امور میں اختیار ہو کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں، اور دیگر تمام اجتماعی امور میں وہ حکومت کے بنائے ہوئے قوانین اور طریقوں کے پابند ہوں، اگر حکومت جمہوری ہو تو یہ قوانین طے کرنے والے وہ افراد ہوں گے جو عوام کے نمائندے کہلاتے ہیں، اور اگر حکومت آمرانہ ہو تو یہ قوانین وضوابط وہ لوگ

طے کریں گے جو حکومت پر قابض ہوں۔

اس طرز حکومت کو اختیار کرنے کی سب بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہر ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ بستے ہیں، اجتماعی اور سیاسی زندگی بہر حال ان سب کو مل کر گذارنی ہے، اور چونکہ مذاہب بہت سارے ہیں اس لیے کسی مذہب کو رہنما بنانے کے بجائے عقل انسانی کو ہی رہنما بنانا ناگزیر ہے۔

اس نظریہ پر اسلام کے حوالہ سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ چونکہ مذاہب مختلف ہیں تو یقیناً ان کے ماننے والوں کے نظریات اور فلسفۂ زندگی بھی متعدد ہوں گے، ایسی صورت میں کسی ملک میں ایک طرح کا پائدار سماج تشکیل نہیں پاسکتا، بلکہ ہر کچھ فاصلہ پر جہاں ایک ہی سماج کے ماننے والے ہوں وہاں ایک نیا سماج ہوگا اور جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے ہوں گے وہاں کا سماج باہمی رسہ کشی، فرقہ پرستی اور انتشار کا شکار ہوگا۔

عقل انسانی کی محدودیت اور کمزوریاں بالکل واضح ہیں، چنانچہ اس کی رہنمائی ناقابل اعتماد ہے، اس کے علاوہ انسانی عقلوں میں باہم اختلافات ہیں، اس لیے عملاً اکثریت کی رائے ماننے بغیر چارہ نہیں، اور اکثریت کی رائے غلطی کرسکتی ہے اور کرتی ہے، اس کے علاوہ کسی مسئلہ پر اکثریت کا رائے اجتماع بھی عملا مشکل ہے۔

سیکولر سیاست کے حوالہ سے اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو امور خالص مذہبی قسم کے ہوں ان میں ہر گروہ آزاد ہو، لیکن جن امور کا تعلق اجتماعی وسیاسی زندگی سے ہو ان میں ان آفاقی اقدار کو اختیار کرنا ضروری ہے جو نوع انسانی کی مشترک میراث ہیں، اور جنھیں ہدایات الٰہی نے قانون کی شکل دی ہے جسے اسلام کی اصطلاح میں شریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایک سیکولر حکومت میں اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول ونظریات ہونے ضروری ہیں جو فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہوں، اور اسلام نہ صرف اس کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ وہ عملی نمونے بھی پیش کرتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب کا دائرہ نہایت محدود ہے، اور ان کا اپنی آفاقیت یا فطرت سے موافقت کا دعوی بھی نہیں۔ اس لحاظ سے صرف اسلام کا پیش کیا ہوا نظام زندگی ہی ایک حقیقی اور کامیاب زندگی کا ضامن ہے۔

نگاہوں کی حفاظت

عبدالرحمٰن صدیقی ندوی

اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو جتنی نعمتیں دی ہیں ان ساری نعمتوں میں نگاہ کی نعمت سب انمول اور سب سے قیمتی ہے، جسم کے سارے اعضاء اس نعمت کے بغیر اپنی پوری افادیت ثابت نہیں کرسکتے، بلکہ انسان کا دل ودماغ سب اسی کے ماتحت ہوتے ہیں۔

انسان کے اخلاق وکردار میں انسان کی نگاہوں کی سب سے بڑی اہمیت ہے، اس کے ذریعہ کسی کے اندرون میں بھی جھانکا جاسکتا ہے، اور نگاہوں خیانت کے ذریعہ اس کے کردار کو پرکھا بھی جاسکتا ہے۔

عام طور پر انسان جو بھی اچھے یا برے کام کرتا ہے اس کی شروعات بھی انہیں نگاہوں کے ذریعہ ہوتی ہے، انسان جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کا ضمیر اور اس کا دل ودماغ اس کو خیر وشر پر آمادہ کرتا ہے، اور اس کا سارا انحصار انسان کی تربیت اور اس کے ماحول پر ہوتا ہے، اور چونکہ انسان کا نفس اور شیطان ہمیشہ برائی پر آمادہ کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے اس لیے نگاہوں کی حفاظت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے نگاہوں کی حفاظت کی سخت تاکید فرمائی ہے، بلکہ یہاں تک فرمایا کہ "العینان تزنیان" یعنی جب انسان اپنی نگاہوں کی حفاظت نہیں کرتا، اور نامحرم کو دیکھتا ہے تو گویا اس دیکھنے سے اس کی آنکھیں لطف اندوز ہوتی ہیں اور اس کا نفس اور شیطان اس کو برائی پر ورغلاتا ہے، جو کہ زنا جیسی سنگین برائی تک پہنچنے کا ایک زینہ ہے، اسی لیے فرمایا کہ انسان کی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں، اور اسی لیے یہ حکم دیا گیا کہ اپنی نگاہوں کو ہمیشہ نیچی رکھو، اور اگر کسی نامحرم پر غلطی سے بھی نگاہ پڑ جائے تو فوراً نگاہ کو پھیر لو، کیونکہ اچانک پڑی ہوئی پہلی نگاہ تو معاف ہے لیکن اگر یہی نگاہ دوبارہ اس طرف اٹھی تو وہ سنگین گناہ کے دائرہ میں ہے۔

اللہ کی امانت

ابوالعباس خاں

مدینہ منورہ کا پورا معاشرہ، نور نبوت میں ڈوبا ہوا، پاک دل پاک روحوں کا معاشرہ، تاریخ انسانی کا سب سے مقدس معاشرہ، نہ برائی کا خیال، نہ گناہ کا گذر، آفتاب نبوت اپنی ضو پاش کرنوں کے ساتھ جلوہ فگن، زمین وآسمان کا مضبوط رشتہ، وحی کا سلسلہ جاری، ہر نفس رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں، آیت نازل ہوتی ہے:

﴿لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (ہرگز پوری نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک تم اس چیز کو نہ خرچ کردو جو تمہیں پسند ہے)

حضرت ابوطلحہؓ فرمان الٰہی کو سنتے ہیں، سوچتے ہیں کہ ان کی محبوب ترین چیز کیا ہے؟ خدمت نبوی میں حاضر ہوتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! میرا فلاں باغ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے، اس کے برابر کسی کا باغ نہ ہوگا، میں اسے راہ خدا میں دیتا ہوں۔

حضرت ابوطلحہؓ کی شادی ہوئی، اللہ تعالی نے انھیں دنیا کی سب سے قیمتی چیز' نیک بیوی عطا کی ہے، شوہر کی خدمت گذار، ہرحال میں صابر وشاکر، نہ زبان پہ کوئی شکوہ نہ دل میں کوئی ملال، خدا کی نیک بندی، خدا کی فرمانبردار بندی!

کچھ وقت بیتا، اللہ نے انھیں ایک پیارا سا بیٹا بھی نوازا، نام طلحہؓ رکھا اور خود ابوطلحہؓ ہوگئے، دل وجان سے اسے چاہتے، اسے لاڈ و پیار کرتے، اسے دلار کرتے، کبھی سینے پہ لٹاتے، کبھی پیٹھ پہ بٹھاتے، آنکھوں کی ٹھنڈک، بڑھاپہ کا سہارا۔

ایک رات طلحہ سخت علیل ہوئے، پوری رات بے چین رہے، ماں باپ نے آنکھوں میں رات گذاردی، صبح ہوئی، ابوطلحہ نے وضو کیا، فجر کی نماز ادا کی، بیٹے پہ شفقت بھری نگاہ ڈالی اور خدمت رسول میں حاضر ہوگئے۔

صبح بچے نے آنکھیں کھولیں، لیکن طبیعت بالکل نڈھال، مرض میں کوئی افاقہ نہیں، ماں کی ماممتا بے چین ہواٹھی، جو کچھ جتن ہوسکتے تھے کرڈالے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، کبھی بچہ کو سینہ سے لگاتی، کبھی اس کی پیشانی کو چومتی، کبھی بے خود ہوکر سوچتی کہ ابوطلحہ کو بلوائیں، شاید ان کے آنے سے طبیعت کچھ سنبھل جائے، لیکن وہ نبی کی مجلس میں تھے، وہاں سے بلوانا کیسی بے ادبی ہوگی، مرضی تو سب اللہ کی، بیماری اور تندرستی تو سب اسی کے ہاتھ میں، وقت گذرتا گیا، مرض بڑھتا گیا، بچہ کی سانسیں کم ہوتی گئیں، اور پھر اس نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی، ماں بچہ کو کلیجہ سے لگائے اپنے رب کو یاد کرتی رہی، جی بھر کے اس کو دیکھا، خوب خوب پیار کیا، اور پھر اس پر ایک کپڑا ڈال کر اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہوگئی۔ نہ کوئی واویلا، نہ شور نہ ہنگامہ، نہ دھاڑیں مار مار کر روئیں، نہ محلہ کو سر پر اٹھایا، نہ فضولیات بکیں، نہ اپنی قسمت پر آنسو بہائے، وہ خدا کی نعمت تھی، ایک ذمہ داری تھی جو پوری ہوئی، خدا کا شکر ادا کیا، اور اپنے شوہر کا انتظار کرنے لگیں۔

بیٹے کی محبت بے انتہا، لیکن رسول کی محبت سے بڑھ کر یہ محبت نہیں، یہ کیسے ممکن تھا کہ ابوطلحہؓ آج حضور کی خدمت میں حاضر نہ ہوتے، ہمیشہ کی طرح آج بھی پہنچے، پورا دن نبی کے ساتھ بتایا، شام ہوئی تو گھر کو پہنچے، آتے ہی پوچھا کہ طلحہ کا کیا حال ہے؟

بیوی نے جواب دیا، رات بھر اسے تکلیف تھی، اللہ کا شکر ہے اب اسے کوئی تکلیف نہیں۔ ابوطلحہؓ نے دیکھا کہ بچہ پر چادر پڑی ہے، سوچا رات بھر کا جاگا ہوا ہے، نیند آگئی ہوگی، اسے سونے دو۔

بیوی نے کہیں سے ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس پر غم کا کتنا بڑا پہاڑ ٹوٹا ہے! اس کی ممتا سونی ہوچکی ہے! اس کی آنکھوں کا نور بجھ چکا ہے!

محبت کے ساتھ کھانا پروسا، شوہر کے راحت کی پوری فکر کی، سکون اور اطمینان کے ساتھ شب عروسی کی طرح رات بتائی۔

صبح ہوئی، ابوطلحہؓ نے معمول پہ نکلنے کی تیاری کی، بیوی نے کہا کہ اے ابوطلحہؓ! ایک بات بتاؤ! کوئی تمھیں اپنی امانت دے، تم کو اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی اجازت بھی دے لیکن جب وہ دوبارہ اپنی امانت تم سے مانگ لے تو کیا تمھیں اس پر کوئی اعتراض ہوگا؟ بولے بالکل نہیں، جس کی امانت ہے اسے اختیار ہے جب چاہے اپنی امانت لے لے۔

کہنے لگیں: ہمارے جگر کا ٹکڑا، ہمارا طلحہ اب اس دنیا میں نہیں، اللہ پاک نے ہمیں امانت دی تھی اس نے ہم سے اپنی امانت واپس لے لی۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا لیکن صبر اور شکر کے دامن میں وہ سیلاب جذب ہوکر رہ گیا۔

غسل کے احکام

غسل:- سر سے پیر تک جسم کے تمام ظاہری حصہ کو دھونے کو غسل کہتے ہیں، غسل دو مقصد کی خاطر کیا جاتا ہے:
(۱) ثواب حاصل کرنے کے لیے جیسے جمعہ وعیدین کا غسل
(۲) ایسی ناپاکی سے پاکی حاصل کرنے کے لیے جو بغیر غسل کے دور نہ ہوسکتی ہو، جیسے غسل جنابت وغیرہ۔

غسل کب واجب ہوتا ہے؟ جن چیزوں سے غسل ضروری ہوجاتا ہے وہ یہ ہیں: (۱) شہوت کے ساتھ احتلام کا ہوجانا، چاہے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں ہو (۲) ہم بستری کرنا، خواہ اس میں منی کا خروج ہو یا نہ ہو (۳) ماہواری کا خون بند ہونے کے بعد (۴) نفاس کا خون بند ہونے کے بعد (۵) کسی کے انتقال کے بعد اس کو غسل دینا جو کہ دوسروں کے لیے ضروری ہے (۶) اگر کوئی کافر ناپاکی کی حالت میں اسلام قبول کرے۔

غسل کے فرائض:- غسل میں تین فرائض ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے جسم کو اس طرح دھونا کہ کوئی بھی حصہ خشک نہ رہنے پائے۔
ان تینوں میں سے اگر ایک بھی چھوٹ جائے یا کوئی کمی رہ جائے تو غسل درست نہیں ہوگا۔

غسل کی سنتیں:- ☆ نیت کرنا، یعنی دل سے یہ ارادہ کرنا کہ ناپاکی سے پاکی حاصل کرنے کے لیے یا اللہ تعالیٰ کی خوشی حاصل کرنے کے لیے غسل کر رہا ہوں ☆ بسم اللہ پڑھنا ☆ اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹوں سمیت دھونا ☆ نجاست کو دھونا خواہ کپڑے میں لگی ہوئی ہو یا بدن کے کسی خاص حصہ میں ہو ☆ وضو کرنا ☆ پورے بدن پر پانی کا تین بار بہانا ☆ پہلے سر پر، پھر دائیں مونڈھے پر، پھر بائیں مونڈھے کی طرف پانی بہانا ☆ اپنے بدن کو خوب ملنا ☆ بدن کو پے در پے اس طرح دھونا کہ ایک عضو سوکھ نہ پائے اور دوسرا عضو دھو لیا جائے۔

غسل کے مستحبات:- ☆ بیٹھ کر غسل کرنا ☆ زیادہ پانی نہ بہانا ☆ ایسی جگہ غسل کرنا جہاں کسی غیر محرم کی نگاہ نہ پڑنے پائے ☆ کپڑے پہن کر نہانا۔
اس کے علاوہ جو چیزیں وضو میں مستحب ہیں وہ غسل میں بھی مستحب ہیں، سوائے ان دو چیزوں کے: ☆ غسل کرتے وقت قبلہ رخ نہ ہونا ☆ دعا نہ پڑھنا۔

غسل کے مکروہات:- ☆ بلا ضرورت باتیں کرنا ☆ بسم اللہ کے علاوہ دیگر دعائیں پڑھنا ☆ برہنہ ہو کر نہانے والے شخص کے لیے قبلہ رخ ہونا۔
ان کے علاوہ وضو میں جو چیزیں مکروہ ہیں وہ چیزیں غسل میں بھی مکروہ ہیں۔

جن چیزوں کے لیے غسل سنت ہے:- ☆ جمعہ کی نماز کے لیے ☆ عیدین کی نماز کے لیے ☆ احرام باندھنے کے لیے ☆ عرفہ کے دن زوال آفتاب کے بعد حاجی (حج کرنے والے) کے لیے۔

جن چیزوں کے لیے غسل کرنا مستحب ہے:- ☆ پندرہویں شعبان کی رات میں ☆ شب قدر میں ☆ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز کے لیے ☆ استسقائ (پانی طلب کرنے والی نماز) کے لیے ☆ نئے کپڑے پہنتے وقت ☆ اپنے گناہوں سے جو شخص توبہ کرے ☆ جو سفر سے واپس آجائے ☆ مدینہ منورہ حاضری کے لیے ☆ مکہ معظمہ حاضری کے لیے ☆ قربانی کے دن صبح کو وقوف مزدلفہ میں ☆ طواف زیارت کے لیے ☆ جو شخص میت کو غسل دے ☆ حجامت (بال بنوانے) کے بعد وغیرہ۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 07 FEBRUARY 2015 Issue: 02

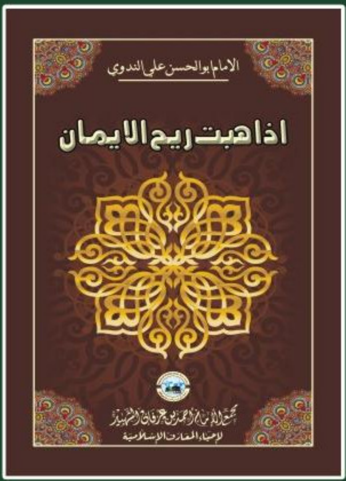

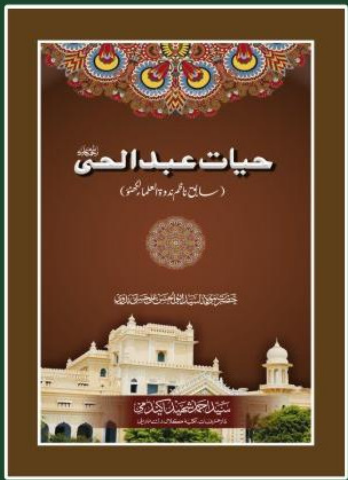

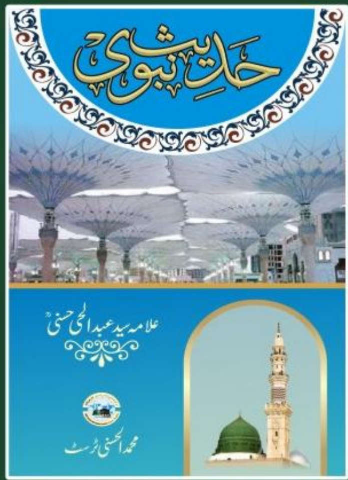

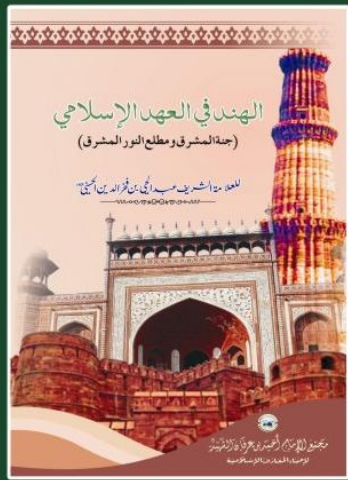

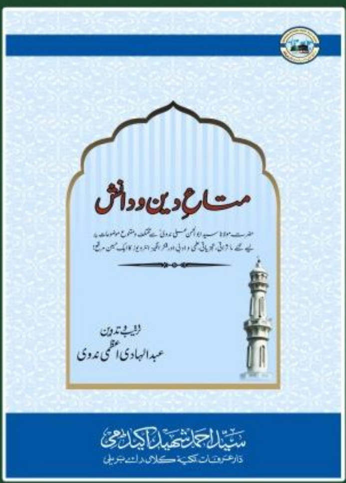

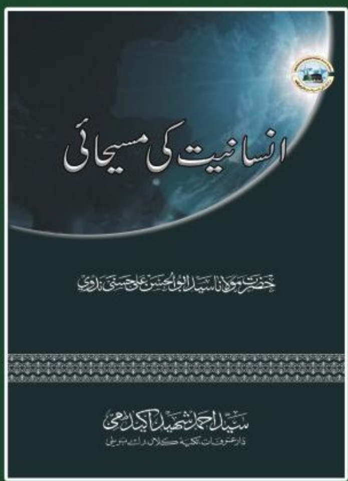

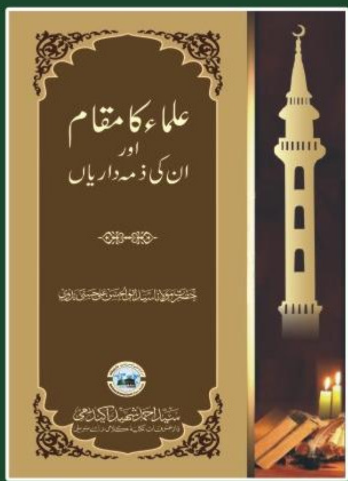

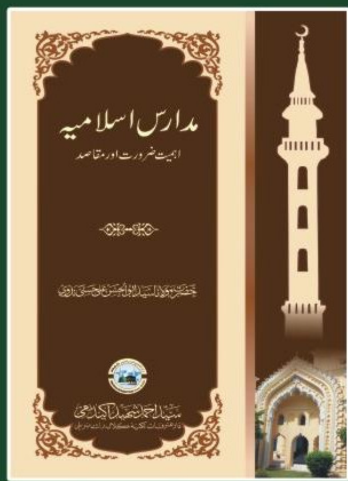

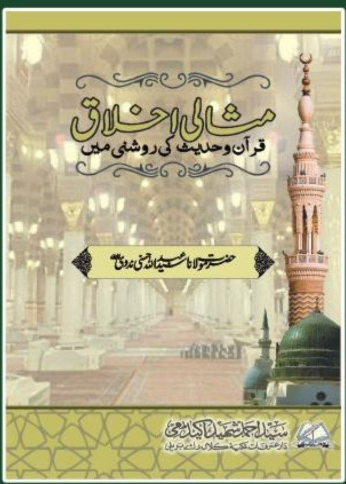

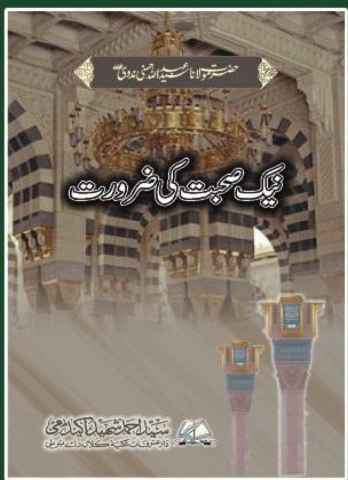

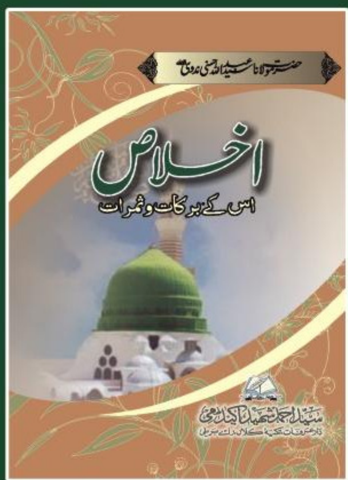

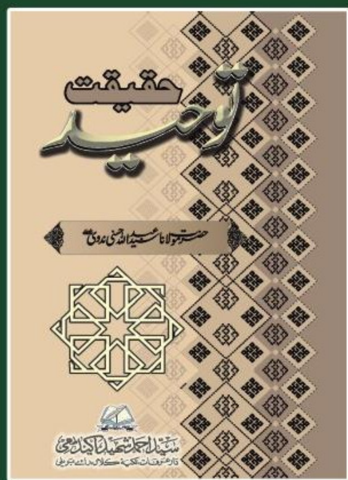

Editdr:aBilal Nadwi H
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)